

READING SECTION

READING SECTION

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM



فروری 2017

قصتیں درزیوں کا

کشور اور قائد اعظم

51



READING SECTION

READING SECTION

Online Library For Pakistan

Online Library For Pakistan

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

لوگو اور مولا

www.paksociety.com



تعلیم و تربیت

پاکستان میں سب سے زیادہ پڑھا جانے والا

پاکستان میں سب سے زیادہ پڑھا جانے والا

فروری 2017ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کشمیر جنت نظیر دنیا کے خطے پر پاکستان کے شمال مشرق اور بھارت کے شمال مغرب حصے پر ایک متنازعہ ریاست ہے، جس کے ایک حصے پر بھارت نے کشمیر پر قبضہ کر رکھا ہے۔ یہ ریاست حسن و خوبصورتی کے لیے دنیا بھر میں مشہور ہے۔ اس میں بلند، بالا پہاڑوں کے سلسلے پھیلے ہوئے ہیں جن میں کوہ نابھ اور کوہ قراقرم قابل ذکر ہیں۔ دریائے جہلم سرینگر شہر سے ہو کر گزرتا ہے۔ یہ وادی بڑی زرخیز درہ ہے۔ دریاے سندھ بھی کشمیر سے ہو کر پاکستان داخل ہوتا ہے۔ یہاں گندم اور چاول بکثرت ہوتے ہیں۔ یہاں کی کشمیری شاہیں اور گرم کپڑا خاص طور پر مشہور ہیں۔ بھارتی مقبوضہ کشمیر کا رقبہ افغان ہزار مربع میل اور اس کا دارالحکومت سرنی گر ہے جب کہ آزاد کشمیر کا رقبہ پانچ ہزار آٹھ مربع میل ہے اور اس کا دارالحکومت مظفر آباد ہے۔ کشمیر کی مجموعی آبادی میں مسلمانوں کا تناسب 77 فی صد ہے۔ آزاد کشمیر میں شمالی ماہاؤں کا رقبہ شامل نہیں ہے۔ بدھوں اور ہندوؤں کے اقتدار کے بعد یہاں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی۔ ان کے ساتھ بہت سے اولیائے اللہ بھی آئے جن کی تبلیغ نے ریاست کے ہندوؤں کو حلقہ گجوش اسلام کیا۔ 1586ء میں یہاں مغلوں نے حکومت قائم کی۔ مغل حکومت کے زوال کے بعد مقامی حاکم آزاد ہو گئے۔ 1846ء میں انگریزوں نے پنجاب میں سکھ حکومت کا خاتمہ کر دیا اور کشمیر کا تنازعہ 75 لاکھ روپوں میں ایک ڈاکٹر ذرا گیا جگاب سنگھ کے ہاتھ فروخت کر دیا جس نے برسر اقتدار آ کر یہاں کی مسلم اکثریت پر بے پناہ مظالم ڈھائے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں کشمیری مسلمانوں نے اپنے حقوق کی جدوجہد شروع کی۔ 1932ء میں شیخ محمد عبداللہ نے مسلم کانفرنس کے نام سے ایک سیاسی تنظیم قائم کی۔ بعد ازاں دو اس سے الگ ہو گئے اور 1938ء میں نیشنل کانفرنس نے "کشمیر چھوڑ دو" تحریک چلائی۔ 27 جولائی 1946ء کو مسلم کانفرنس نے پاکستان سے کشمیر کے الحاق کا فیصلہ کیا۔ جون 1947ء میں تقسیم ہند کے منصوبے کا اعلان ہوا۔ اس کے تحت تمام ریاستوں کے حکمرانوں کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ پاکستان یا بھارت کے ساتھ الحاق کر سکتی ہیں۔ چنانچہ مسلم کانفرنس نے کشمیر کا پاکستان سے الحاق کا فیصلہ دیا لیکن کشمیر کے غیر مسلم راجا نے ہندوؤں اور سکھوں کے ذریعے مسلمانوں کا قتل نام کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ مسلمانوں نے راجا کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر ظم بھارت بلند کر دیا اور آزاد کشمیر حکومت کے نام سے اپنی حکومت قائم کر لی۔ راجا بڑی سنگھ بھاگ کر جموں ٹوٹی چلا گیا اور ریاست کو انڈین یونین میں شامل کرنے کی درخواست کی۔ بھارت نے فورا ہوائی جہازوں کے ذریعے سرینگر میں اپنی فوجیں اتار دیں۔ اس وقت مجاہدین سرینگر سے چند میل زور رکھے تھے۔ آخر ہزاری 1949ء میں اقوام متحدہ کی مداخلت سے جنگ بند ہو گئی اور دونوں ممالک کے درمیان جنگ بندی لائن قائم کر دی گئی۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں جبکہ ہندی فرار باد کے ساتھ ایک اور قرار صادر بھی منظور ہوئی جس میں کہا گیا تھا کہ دونوں ملک کشمیر سے اپنی اپنی فوجیں واپس بلا لیں۔ اس کے بعد اقوام متحدہ کی زیر نگرانی رائے شماری ہوئی۔ اس ضمن میں سلامتی کونسل نے اقوام متحدہ کا کمیشن برائے پاک و ہند قائم کیا۔ رائے شماری کے منصوبے پر کبھی عمل نہ ہوا۔ اس مسئلے پر پاکستان آج بھارت کے درمیان دو بڑی جنگیں ہو چکی ہیں۔

5 فروری کو مقبوضہ کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کے ساتھ یک جہتی کے اظہار کے لیے "م کشمیر" بنایا جا رہا ہے۔ کشمیری گنی دہائیوں سے اپنی آزادی کی جدوجہد میں نس در نسل قربانیاں دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے زنا ہے کہ کشمیر کو بھارت کے غاصبانہ قلم سے نجات دلائے اور دونوں زور نہیں جب کشمیر میں آزادی اور دین و آزادی کا سورج طلوع ہوگا۔ لیجے اس ناوک رسالہ بڑھے اور اپنی تنقید و تجویز سے آگاہ کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کے اہل خانہ کو اپنے مفد و امان میں رکھے۔
فی امان اللہ! (ایڈیٹر)

ملائق اشعار میں

1	اداریہ
2	ممد و نعت
3	درس قرآن و حدیث
4	لابواب
7	رکعتا
9	بہارت منہ کے
11	کاؤچی پوٹو
15	خوش سمن
17	حضرت سیدنا ابراہیم
18	ادب و فن
19	انسید کی آواز
23	مختصر مختصر
25	گولو اور مول
27	سیری بیاض سے
28	سیری زندگی کے
29	بکوں کا آئینہ بھڑا
31	کھیل وں منت کا
32	کسان و ذوال
33	خوش قسمت حسن
36	کھون کا بیٹہ
37	بول چلنے
40	اردو دست بار دہش
42	دانا لڑا
43	انگلی زادت
46	آئیے سکر ایے
47	آپ بھی لکھیے
51	کشمیر اور قاسم
53	دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس تمام سینکٹن
55	ایڈیٹری ڈاک
57	نقد سنی روزوں کا
61	ہلوں کی سرزمین
63	پانچویں تہا میں
64	باخوان

اور بہت سے دل سب نرائے اور سلسلے
سرورق "ایم کشمیر"

سرکولیشن و سنسٹ

محمد بشیر راہی

اسسٹنٹ ایڈیٹر

عابدہ اصغر

ایڈیٹر و پبلشر

ظہیر سلام

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ تعلیم و تربیت 32۔ انپہر میں روڈ لاہور۔
UAN: 042-111 62 62 62 Fax: 042-36278816
E-mail: tot.tarblatfs@gmail.com
tot tarblatfs@live.com

سالانہ خریدار بننے کے لیے سال بھر کے شماروں کی قیمت چھٹکی بک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں سرکولیشن منیجر، ماہنامہ "تعلیم و تربیت" 32۔ انپہر میں روڈ لاہور کے پتے پر ارسال فرمائیں۔
فون: 36361310-36361309-36278816 ٹیکس: 36278816
سرکولیشن اور اکاؤنٹس: 60 شاہرہ ٹاکہ اعظم لاہور۔

پاکستان میں (بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک) = 1000 روپے۔
شمال مشرقی (بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک) = 2400 روپے۔
ایشیا، آفریقا، یورپ (بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک سے) = 2400 روپے۔
امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ (بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک سے) = 2800 روپے۔



قیمت فی پرچہ: 35 روپے

نعت رسول مقبول

قربان ہیں جن پر تن من دھن سبحان اللہ سبحان اللہ
 وہ دُور کریں گے رنج و محن سبحان اللہ سبحان اللہ
 وہ جان بہاراں جب آئے اس دہر کے ویراں گلشن میں
 پھر مہک اٹھے مرجھائے چمن سبحان اللہ سبحان اللہ
 ہر باغ کا بڑ بوٹا پتا مصروف ثنائے احمد ہے
 اور بدح سرا ہیں سرد شمن سبحان اللہ سبحان اللہ
 وہ آقا ساقی کوثر ہیں وہ جام ہمیں دیں گے بھر کر
 جس روز بھڑکتے ہوں گے بدن سبحان اللہ سبحان اللہ
 ہیں اُمت کے غم خوار نبیؐ وہ شافعِ روزِ محشر ہیں
 ہے آپؐ میں بخشانے کی لگن سبحان اللہ سبحان اللہ
 یہ بات ہے سچی بات بہت ددعالم کے ہر ذرے ذرے پر
 ہیں احمدؐ مرسل سایہ فگن سبحان اللہ سبحان اللہ
 جو مہر و وفا کے پیکر ہیں وہ ان کی نظر میں رہتا ہے
 ہے تیرا قمر جو رنگِ سخن سبحان اللہ سبحان اللہ

دہر: دنیا، عالم
 سایہ فگن: سایہ ڈالنے والا

ریاض حسین قمر

حمد باری تعالیٰ

لائے ہیں ایک خواہش تیرے حضور مولا
 تو بخش دے ہمارے سارے قصور مولا
 ہم کو بچالے شر ابلیس سے خدایا
 ساری غلاظتوں کو کر ہم سے دور مولا
 ہم بھول بیٹھے تیری ذات کریم کو بھی
 آیا ہمارے دل میں کیسا فتور مولا
 ہر شے سے میرے مولا تیرا پتا ملا ہے
 ہر ذرہ جہاں سے ظاہر ہے نور مولا
 نظر کرم ہو تیری ہم پر مرے خدایا
 لکھ دے ہماری خاطر جنت کی حور مولا
 خالق ہے سب جہاں کا مالک ہے سب جہاں کا
 مکہ مدینہ تیرا اور کوہ طور مولا
 کر دے عطا خدایا ہم کو سکوں کی دولت
 کرے اطمینان حاصل دل ناصبور مولا

ناصر: بے قرار
 رنج و محن: دکھ، تکلیف



اور دل کو پیش کیا، پھر میں نے تم سے کہا کہ بکری کے دو عضو پیش کرو تو پھر تم نے زبان اور دل کو پیش کر دیا؟ (یعنی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر یہ اچھے ہیں تو برے کیسے، اور اگر برے ہیں تو اچھے کیسے؟) لقمان حکیم نے فرمایا کہ زبان اور دل سے زیادہ عمدہ عضو کوئی نہیں مگر شرط یہ ہے کہ دونوں درست ہوں اور زبان اور دل سے زیادہ برے (ناقص) عضو کوئی نہیں جب کہ وہ بگڑ جائیں۔

(الترغد لاحمد 44/1)

پس زبان اچھی چیز ہے اس لیے کہ اس سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے، اسلام کا کلمہ پڑھا جاتا ہے، قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے، خیر و بھلائی کی دعوت دی جاتی ہے۔ اور زبان بری چیز ہے اس لیے کہ اس سے کفر کا کلمہ نکلتا ہے، شرکیہ الفاظ بولے جاتے ہیں، گالی دی جاتی ہے، لعنت کی جاتی ہے، چغلی کی جاتی ہے، پیٹھے برائی (غیبت) کی جاتی ہے، جھوٹ بولا جاتا ہے، جھوٹی قسم کھائی جاتی ہے۔

نبی پاک کا ارشاد ہے کہ ”بندہ کبھی اللہ کی رضامندی کا کوئی ایسا کلمہ کہہ دیتا ہے کہ جس کی طرف اس کا دھیان بھی نہیں ہوتا اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے بہت درجات بلند فرما دیتے ہیں اور بندہ کبھی اللہ کی ناراضگی کا کوئی ایسا کلمہ کہہ دیتا ہے کہ اس کی طرف اس کا دھیان بھی نہیں ہوتا اور اس کی وجہ سے وہ دوزخ میں چلا جاتا ہے۔“ (بخاری، باب حفظ اللسان: 6478)

بعض مرتبہ ایک بات دیکھنے میں بڑی چھوٹی سی ہوتی ہے لیکن اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل ہو جاتی ہے، اسی طرح دیکھنے میں ذرا سی بات ہوتی ہے لیکن اللہ جل شانہ کے یہاں وہ بڑا گناہ ہوتی ہے۔ اس لیے ہمیشہ سوچ سمجھ کر بولنا چاہیے۔

پیارے بچو! زبان کی حفاظت کیجئے۔ اچھی بات کہنے سے اللہ کی رضا اور جنت حاصل ہوتی ہے اور بری بات جہنم کے گڑھے تک پہنچا دیتی ہے۔ اسی لیے کہا جاتا کہ ”پہلے تولو پھر بولو۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”انسان کوئی لفظ زباں سے نکال نہیں پاتا، مگر اس پر ایک نگران مقرر ہوتا ہے، ہر وقت (لکھنے کے لیے) تیار۔“ (سورۃ ق، آیت: 18)

ہم زبان سے جو بات کہتے ہیں نیکی کی بات ہو یا برائی کا کلمہ، وہ لکھ لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو فرشتے ہر انسان کے ساتھ ہوتے ہیں، ایک دائیں جانب جو اس کی نیکیاں لکھتا ہے اور دوسرا بائیں جانب جو اس کے گناہ لکھتا ہے۔ قیامت کے روز اعمال نامے کھول دیئے جائیں گے اور سب کچھ ظاہر ہو جائے گا، جو کچھ کیا ہو گا یا کہا ہو گا اس پر جزا و سزا مرتب ہوگی۔

پیارے بچو! جب ہمارا قول ریکارڈ ہو رہا ہے تو ہمیں بولنے میں احتیاط کرنی چاہیے، اچھی اور بھلائی کی بات کو زبان پر لانا چاہیے اور بری بات اور گناہ سے زبان کو بچانا چاہیے۔

ہمارے پیارے نبی کا ارشاد ہے کہ ”جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔“ (بخاری، باب حفظ اللسان: 6475، مسلم، کتاب الایمان: 47)

انسان کے اعضاء میں سے ”زبان“ سب سے اچھی چیز بھی ہے اور سب سے بری چیز بھی ہے۔

حضرت لقمان حبشی غلام تھے، ان کے آقا نے ان سے کہا کہ میرے لیے ایک بکری ذبح کرو، حضرت لقمان نے بکری ذبح کی۔ آقا نے کہا: اس بکری کے دو عمدہ عضو مجھ پر پیش کرو۔ انہوں نے دل اور زبان کو پیش کیا۔ آقا نے کہا: کیا بکری میں ان دو اعضاء سے بڑھ کر کوئی عضو عمدہ نہیں ہے؟ حضرت لقمان نے جواب دیا: نہیں۔ پھر ان کے آقا نے ایک اور بکری ذبح کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضرت لقمان نے ایک اور بکری ذبح کی۔ آقا نے کہا اب اس بکری کے دو برے (ناقص) عضو پیش کرو۔ حضرت لقمان نے اس بکری کے بھی دل اور زبان کو پیش کیا۔ آقا کہنے لگا: عجب معاملہ ہے جب میں نے کہا بکری کے دو عمدہ عضو پیش کرو تو تم نے زبان



دیکھنے کے لیے آیا تھا۔ اب وہ بھی حیرت اور خوشی سے ان کبوتروں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ”آجاؤ پرکاش..... گل اور کوئل کے ساتھ کھیلتے ہیں.....“ عکاشہ نے خود ہی ان دونوں کبوتروں کے نام بھی دے دیئے تھے۔ پھر ان دونوں نے ایک، ایک کبوتر پکڑ لیا اور پیار سے انہیں سہلانے لگے۔ پرکاش کے ابو فوجی نہیں تھے مگر فوج میں ہی دفتری کام سنبھالتے تھے۔ اب وہ اپنے بچوں اور بیوی کے ہمراہ مقبوضہ وادی میں آباد ہو چکے تھے۔

مقبوضہ وادی میں امن کے حوالے سے حالات اکثر خراب رہتے تھے۔ اب آزادی کے متوالے اپنے سر پر کفن باندھ کر نکلتے تھے اور قابض فوج اس احتجاج کو کچلنے کے لیے جدید اسلحہ سے لیس میدان میں اتر آتی تھی۔ پھر خاک اور خون کا کھیل شروع ہوتا تھا۔ وادی کی معطر فضا دھواں، دھواں ہو جاتی تھی۔ کتنے ہی زخمی ہوتے تھے۔ کتنے ہی شہید ہوتے تھے اور کتنے ہی قیدی بنا لیے جاتے تھے۔ بہت سے قیدی ایسے تھے جو کبھی لوٹ کر واپس نہیں آتے تھے۔

ان حالات میں عکاشہ کے ابو امن کے ساتھ اپنی زندگی گزارنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ ہر قسم کے احتجاج اور آزادی کے حق میں نکالی جانے والی ریلیوں سے دور رہتے تھے۔ جس طرح مرغی اپنے بچے سنبھالتی ہے، اسی طرح وہ اپنے خاندان کو سنبھالنے میں لگے ہوئے تھے۔ اس شام بھی چند حریت پسند ابو کے پاس

ابو جان گھر کے اندر داخل ہوئے تو عکاشہ کا چہرہ خوشی سے تہمتانے لگا۔ ابو نے اپنے دونوں ہاتھ کمر کے پیچھے چھپائے ہوئے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ ابو جی اُس کے لیے وہ تحفہ لائے تھے جس کے لیے پچھلے ایک ماہ سے عکاشہ اصرار کر رہا تھا۔

”ابو جی.....“ عکاشہ شوخی سے بولا۔

”یہ لو بیٹا.....“ ابو بھی مسرت سے بولے اور پھر انہوں نے ان دونوں کو تھن کے فرش پر چھوڑ دیا۔ وہ دونوں دیکھنے میں ہی بہت خوب صورت نظر آ رہے تھے۔ ان دونوں کی دموں کے پڑاؤ پر کی طرف اٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سروں پر پڑوں کا تاج تھا۔ وہ دونوں سینہ تان کر اور منک منک کر چل رہے تھے۔ سفید اور براؤن رنگ کے یہ کبوتر پہلی نظر میں ہی عکاشہ کو بہت پسند آئے تھے۔ پھر اچانک عکاشہ کو ایک خیال آیا۔ وہ چیخ کر بولا۔

”ابو جان..... یہ اڑ جائیں گے.....“

”فکر مت کر..... نہیں اڑیں گے..... میں نے ان کے پد کاٹ دیئے ہیں۔ اب یہ چل سکتے ہیں، اڑ نہیں سکتے.....“ ابو کی بات سن کر عکاشہ نے سکون بھرا سانس لیا۔ عکاشہ کے ساتھ ایک اور لڑکا بھی موجود تھا۔ اُس کا نام پرکاش تھا۔ وہ عکاشہ کا پڑوسی بھی تھا اور دوست بھی تھا۔ عکاشہ نے پرکاش کو پہلے ہی خبر دے دی تھی کہ آج اُس کے ابو اُس کے لیے تحفہ لے کر آئیں گے۔ وہ تحفہ

آئے تھے۔ وہ ابو کو آزادی مارچ میں شامل ہونے کی دعوت دے رہے تھے مگر ابو نے صاف انکار کر دیا۔ عکاشہ کو یہ بات اچھی نہیں لگی۔ مہمانوں کے جانے کے بعد عکاشہ بولا۔

”ابو جان..... آزادی تو اچھی ہوتی ہے ناں.....“

”اچھی ہوتی ہے بیٹا..... مگر یہ ہماری مشکل نہیں ہے۔ حکومتوں کے کام ہیں..... حکومتیں جانیں..... ہمیں کیا ضرورت ہے مصیبت مول لینے کی۔“

”مشکل تو ہے ابو جی..... پہلے مجھے بھی اس بات کا احساس نہیں تھا مگر اب گل اور گل کو دیکھ کر محسوس کر رہا ہوں۔“

”کیا مطلب ہے.....؟“ ابو حیرت سے بولے۔

”گل اور گل کی طرف دیکھیں.....“ ابو نے دیکھا۔ دونوں کبوتر چمن میں کھڑے تھے۔ ان کے پاس ہی دانہ بکھرا ہوا تھا۔ پاس ہی پانی والا برتن موجود تھا مگر شاید انہیں بھی احساس تھا کہ وہ اڑ نہیں پائیں گے۔ اس کے باوجود گل نے ہمت کی۔ اس نے پوری قوت سے اپنے پر پھڑ پھڑائے۔ وہ فضا میں بلند ہوا مگر پھر پر نہ ہونے کی وجہ سے وہ نیچے گر پڑا۔

”دیکھا ابو جی..... میں گل اور گل کا پورا خیال رکھتا ہوں مگر اس کے باوجود بھی آزادی چاہتے ہیں.....“

”چپ کرو..... ایسی باتیں مت سوچا کرو.....“ ابو نے عکاشہ کو ڈانٹ دیا مگر یہ عکاشہ کے سوال کا جواب نہیں دیا تھا۔

اگلے دن چھٹی تھی اور آج آزادی مارچ بھی تھا۔ گھر میں راشن ختم ہو رہا تھا۔ ابو راشن لینے نکلے تو امی بولی۔

”آج رہنے دیں، میں گزارا کر لوں گی، گل لے آئیے گا۔“

”کچھ نہیں ہوتا..... میں راستہ بدل لوں گا..... ابھی آدھے گھنٹے میں لوٹ آؤں گا.....“

ابو گھر سے نکلے۔ مقبوضہ وادی میں رہنے والے بہت سے افراد ٹکڑیوں کی شکل میں آزادی مارچ میں شامل ہونے کے لیے جا رہے تھے۔ ابو کے چند دوستوں نے انہیں ساتھ چلنے کے لیے کہا مگر انہوں نے بہانہ بنا دیا۔

”آپ چلیں..... میں آتا ہوں.....“ ابو کے ایک دوست نے اپنے گھر پر ہی سپر سٹور جیسی دکان بنا رکھی تھی۔ ابو نے وہاں سے راشن خریدا۔ ان کے پاس کپڑے کا ایک تھیلا تھا۔ انہوں نے اس

راشن کو تھیلے میں محفوظ کر لیا اور پھر وہ اپنے گھر کی طرف چل پڑے مگر تب تک ہنگامہ ہو چکا تھا۔ قابض فوج نے آزادی مارچ پر حملہ کر دیا تھا۔ ابو کو بہت سے افراد بھاگتے ووڑتے نظر آئے جن کا تعاقب ہندو فوجی کر رہے تھے۔ اچانک فوجیوں نے ابو پر حملہ کر دیا۔ دُندے کی ایک ضرب سے کپڑے کا تھیلا پھٹ گیا۔ چاول، چینی اور دالیں راستے پر بکھر گئیں۔ ایک امن پسند غلام دہشت گرد قرار پایا تھا۔ فوجی ابو کو ایک گاڑی میں بٹھا کر لے گئے تھے۔

اُس شام مقبوضہ وادی کے ہر گھر میں سوگ کی کیفیت تھی مگر کسی کا بھی حوصلہ پست نہیں تھا۔ اب تو یہ اُن کے لیے آنکھ پھولی کا کھیل بن چکا تھا۔ نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا اور وہ یہ کھیل دل و جان سے کھیل رہے تھے۔

رات ہوئی تو پرکاش کے ابو عکاشہ کے ابو کو سہارا دیئے گھر میں داخل ہوئے۔ پرکاش کے ابو کی سفارش پر ظالم ہندو فوجیوں نے عکاشہ کے ابو کو رہا کر دیا تھا مگر اُن ظالموں نے ابو پر تشدد کیا تھا۔ ابو سے تو چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ گھر کے تمام افراد نے پرکاش کے ابو کا شکریہ ادا کیا اور پھر ابو کو چارپائی پر لٹا دیا۔ سو جن کی وجہ سے ابو کی ایک آنکھ بھی بند تھی۔ انہیں اس حالت میں دیکھ کر امی رو پڑی۔

”ظالموں کو اس بات کی بھی شناخت نہیں ہے کہ کون جانب دار ہے اور کون غیر جانب دار.....“ امی نے شکوہ کیا۔

”ابو جی..... اب تو مان لیجیے کہ یہ ہماری مشکل ہے.....“ عکاشہ سسک کر بولا۔

”ہاں بیٹا..... تم سچ کہتے ہو..... یہ ہم سب کی مشکل ہے۔ اب میں بھی آزادی کے لیے کوشش کروں گا.....“ ابو جی نے تصویر کا دوسرا رخ دیکھ لیا تھا۔

”ابو جی! میں، گل اور گل کو بھی آزاد کرنا چاہتا ہوں مگر آپ نے اُن کے پر کاٹ دیئے ہیں۔ میں انہیں کیسے آزاد کروں.....“

”اُن کے کئے پر بازو کی جڑ سے کھینچ لو۔ انہیں تکلیف تو ہوگی مگر اگلے ایک ماہ میں اُن کے نئے پر نکل آئیں گے اور پھر وہ آزاد ہو جائیں گے.....“ ابو کی اس بات میں موجود ایک نکتہ عکاشہ نے فوراً پکڑ لیا۔

”اس کا مطلب ہے ابو جی کہ آزادی سے پہلے تکلیف آتی ہے۔“



کے باوجود ان میں اڑنے کا اعتماد نہیں ہے.....
 ”وہ اعتماد کیسے آئے گا ابو.....“
 ”آسان ہے..... انہیں اٹھا کر ہوا میں
 اچھال دو۔ گرنے کے خوف سے یہ اڑنے
 کی کوشش کریں گے اور یوں اعتماد واپس
 لوٹ آئے گا.....“

”تو پھر آپ میری مدد کریں.....“
 اچھی بات ہے.....“ ابو رضامند ہو گئے۔ پہلے
 انہوں نے گل کو پکڑا۔ اُسے الوداعی پیار کیا اور
 پھر پوری قوت سے ہوا میں اچھال دیا۔ گل تیر
 کی طرح اوپر گیا اور پھر اپنے پردوں کی مدد
 سے اڑنے لگا۔ ابو نے کوئل کے ساتھ بھی یہی
 معاملہ کیا تھا۔ اب گل اور کوئل عکاشہ کے مکان
 کے اوپر اڑ رہے تھے۔ اُن کی خوشی کا عالم

عکاشہ محسوس کر سکتا تھا۔ وہ دونوں گول دائرے کی شکل میں پرواز کر رہے
 تھے۔ کوئل تو اڑتے ہوئے قلابازیاں بھی کھا رہی تھی۔ آزاد پرندے، آزاد
 فضا میں اڑتے ہوئے بہت پیارے لگ رہے تھے۔ انہیں اڑنا دیکھ کر
 پرکاش بھی عکاشہ کے گھر چلا گیا۔ اُسے دیکھ کر عکاشہ بولا۔

”میں نے اچھا کیا ناں.....“ عکاشہ کی آواز میں جوش تھا۔
 نہیں..... اچھا نہیں کیا..... اتنی ضد کرنے کے بعد تم نے
 انہیں حاصل کیا۔ وہ اس آنگن کی رونق تھے۔ اب ہم کس کے ساتھ
 کھیلیں گے۔ یہ اب کبھی واپس نہیں آئیں گے.....“ پرکاش بچہ تھا
 مگر اس نے بندو ذہنیت کی عکاسی کی تھی۔

پھر سب نے عجیب منظر دیکھا۔ پرواز کرتے ہوئے گل اور
 کوئل نے جھکائی کھائی اور پھر وہ عکاشہ کے گھر کی منڈ پر آ بیٹھے۔
 پھر پھر پھرتے ہوئے وہ صحن میں اتر آئے۔ اب گل خوشی سے
 غمغموں..... غمغموں کر رہا تھا۔

”دیکھا تم نے..... دیکھا تم نے.....“ عکاشہ چلا کر بولا۔
 ”اگر سلوک اچھا ہو تو آزاد پرندے بھی اپنا گھر چھوڑ کر نہیں
 جاتے۔ جہاں ظلم ہو، وہاں آزادی کی تمنا ہوتی ہے.....“ پرکاش سر
 جھکائے عکاشہ کے گھر میں سے باہر نکل گیا۔ لاجواب کے پاس کسی
 سوال کا جواب نہیں تھا۔

☆☆☆

”ہاں بیٹا.....“ ابو بولے۔

”اور اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ ہم تکالیف سہہ رہے
 ہیں تو ہماری آزادی بھی قریب ہے.....“ عکاشہ جوش سے بولا۔
 ”ہاں بیٹا.....“ عکاشہ کی باتیں سن کر ابو کو راحت ملی تھی۔ اللہ
 نے انہیں ایک ہونہار بیٹے سے نوازا تھا۔

عکاشہ اس وقت گل اور کوئل کے پاس گیا۔ ”تم دونوں کو تھوڑی
 تکلیف ہوگی مگر آزاد ہونے کے لیے تکلیف برداشت کرنا ہوگی۔“
 اب عکاشہ نے ایک ایک کر کے اپنے دانٹوں کی ہمد سے اُن کے
 کئے پر کھینچ لیے۔ تکلیف کی شدت سے وہ تڑپے تھے۔ اُن کے
 بازو بھی ڈھلک گئے تھے مگر اُن کی آزادی کے لیے یہ ضروری تھا۔
 اب عکاشہ پہلے سے زیادہ اُن کی دیکھ بھال کرنے لگا۔ وقت پر
 دانہ پانی، گرم میوہ جات سے اُن کی خدمت..... یہ سب ساتھ
 ساتھ چل رہا تھا۔ وقت گزر رہا تھا۔ عکاشہ دیکھ رہا تھا۔ اُن دونوں
 کے بازوؤں میں سے نئے پر نکل رہے تھے۔ ایک ماہ سے زیادہ
 وقت گزر چکا تھا۔ عکاشہ کے لیے حیرت والی بات یہ تھی کہ پر
 ہونے کے باوجود گل اور کوئل اڑتے نہیں تھے۔ اب اُس نے ابو
 سے پوچھا۔ ابو مسکرائے اور بولے۔

”بیٹا پرکٹ جانے کے بعد یہ اپنا اعتماد کھو چکے ہیں۔ اب پر ہونے

ام عادل

پہتاوا



اُسے اپنے سامنے اسکول کے سب بچے اور ٹیچرز نظر آرہے تھے مگر سب خاموش اور افسردہ تھے۔ نادیا سوچ میں پڑ گئی کہ آخر کیا بات ہوئی جو اتنی خاموشی ہے۔ نادیا آگے بڑھی۔ اُسے اپنی دوست شہلا کی تلاش تھی۔ اپنی مغرور طبیعت کی وجہ سے نادیا گزشتہ چار برسوں میں صرف ایک ہی دوست بنا پائی تھی۔ اس کی دوست شہلا کہیں نظر نہ آئی تو اس نے بادل نخواستہ ایک دوسری ہم جماعت سے پوچھا۔ ”سب اتنے افسردہ کیوں ہیں؟“ ”کل اسکول سے گھر واپس جاتے ہوئے شامل ٹرین کے نیچے آکر اپنی دونوں ٹانگیں گنوا بیٹھا ہے۔“ لڑکی نے روتے ہوئے بتایا۔ یہ خبر سن کر نادیا کو لگا جیسے اس کے قریب بم دھماکہ ہوا ہے۔ اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ اسکول کے میدان کے ایک کونے میں افسردہ کھڑی تھی کہ کسی نے کہا۔ ”نادیا یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا۔ تمہاری وجہ سے ہوا.....“ اس نے آواز کی سمت جاننے کے لیے چاروں طرف گھوم کر دیکھا۔ اس کے ارد گرد اب کوئی نہ تھا۔ وہ میدان کے ایک طرف تنہا کھڑی تھی مگر آواز مسلسل آرہی تھی۔ ”نادیا یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا۔“ ”مگر کیسے؟“ نادیا نے صدے سے بھری نحیف آواز میں پوچھا۔ ”یاد

نادیا بڑے خوش گوار موز میں اپنی گاڑی سے اتر کر تیزی سے اسکول گیٹ کی طرف بڑھی۔ وہ جلد از جلد اپنے ساتھی بچوں کو اپنے نئے اور قیمتی شوز دکھا کر اُن کی قیمت بتانا چاہتی تھی۔ پھر کیسے سب اُسے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھیں گے..... بہت مزا آئے گا۔ یہ نادیا کی فطرت تھی، اُس کا تعلق ایک دولت مند گھرانے سے تھا مگر وہ ایک متوسط درجے کے اسکول میں زیر تعلیم تھی۔ اُس کی وجہ اُس کی ماں کی ضد تھی کہ وہ اپنی بیٹی کو کہیں دُور نہیں بھیجنا چاہتی تھی۔ نادیا کے اسکول میں بڑی تعداد متوسط طبقے کے اُن بچوں کی تھی جن کے گھروں میں کئی بچے ہوتے ہیں اور کمانے والا تنہا۔ جہاں باپ کو سب کی ضروریات اور فرمائشیں پورا کرنا ہوتی ہیں، وہاں ہر بچے کو اپنی ضرورت دفرمائش کے لیے کافی انتظار کرنا پڑتا ہے۔ نادیا کا معاملہ ذرا مختلف تھا۔ وہ اپنے والدین کی اکلوتی، تک چڑھی اور مغرور بچی تھی۔ اُس کے والد کی فیکٹری تھی۔ گھر میں افراد کم اور روپے کی افراط کی وجہ سے خوش حالی تھی۔

مگر یہ کیا؟ وہ جیسے ہی اسکول کے گیٹ میں داخل ہوئی ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ یہ بھی نہیں کہ اسکول کی چھٹی تھی۔

کرو کچھ دن قبل والا واقعہ جب تم راستے میں چیخ چیخ کر شائل کو بدعائیں دے رہی تھی۔ ”شائل! اللہ کرے تم مر جاؤ۔ کسی گاڑی، ٹرک کے نیچے آ جاؤ۔“ نادیا کو یہ سب کچھ یاد دلانے والا کوئی اور نہیں اس کا اپنا ضمیر تھا۔ ضمیر کی آواز پر نادیا کو چند روز قبل گزرا واقعہ یاد آنے لگا۔ ان کی جماعت لڑکے لڑکیوں کو ملا کر 50 طلبہ پر مشتمل تھی مگر نادیا اپنی امیری کے گھمنڈ میں کسی سے بھی بات نہیں کرتی تھی۔ کلاس میں نادیا کی صرف ایک ہی لڑکی شہلا سے بس واجبی سی دوستی تھی۔ جماعت میں سب نادیا کی مغرور طبیعت کی وجہ سے اس سے دور رہتے مگر شائل ایک شوخ طبیعت لڑکا تھا۔ وہ ضرور اسے مخاطب کرتا مگر جواب میں اسے نادیا سے ہمیشہ برا بھلا ہی سننے کو ملتا۔

سردی کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ اسی روز نادیا بڑا مہنگا، خوب صورت اور اسٹائلش سویٹر پہن کر آئی تھی۔ مچھلی کے وقت نادیا کو گرمی محسوس ہوئی، اس نے اپنا سویٹر اتار کر اپنے کندھے پر ڈال لیا۔ اسکول سے نکل کر سب بچوں کا رخ مین سڑک کی طرف تھا جہاں سے نادیا اور کئی دوسرے بچوں نے سڑک پار کر کے سامنے والی آبادی میں اپنے گھروں کو جانا تھا جب کہ شائل نے سڑک کی اس جانب سے ملنے والی بس پر سوار ہونا تھا۔ اچانک ہی شائل کی رگ شرارت پھڑکی۔ چلتے چلتے اس نے نادیا کے کندھے سے سویٹر اچک لیا۔ نادیا نے چیخ کر شائل کو کہا۔

”دیکھو! میرا سویٹر شرافت سے واپس کر دو ورنہ۔“

”ورنہ، ورنہ کیا.....؟“ شائل کو نادیا کو تنگ کر کے مزا آتا تھا۔ وہ اکثر کہتا تھا جب نادیا غصہ کرتی ہے تو اس کی شکل بنی بدل جاتی ہے۔ اب شائل نے شرارت سے نادیا کا سویٹر ہوا میں اچھالنا شروع کر دیا۔ جیسے جیسے شائل سویٹر اچھال رہا تھا، نادیا کی چیخ پکار بڑھتی جا رہی تھی۔ اب نادیا کا غصہ عروج پر پہنچ چکا تھا۔ نادیا نے غصہ میں شائل کو بدعائیں دینی شروع کر دیں۔

”اللہ کرے شائل تم مر جاؤ۔ کسی گاڑی یا ٹرک کے نیچے آ جاؤ۔“ اس اثنا میں مین سڑک آگنی اور اتفاق سے سامنے ہی شائل کی مطلوبہ بس بھی آگنی۔ اس نے نادیا کا سویٹر اس کی طرف اچھالا اور خود دوڑ کر بس میں چڑھ گیا۔ نادیا نے اپنا سویٹر تھام لیا مگر وہ اب بھی اسے بدعائیں دیتی سڑک پار کر گئی۔

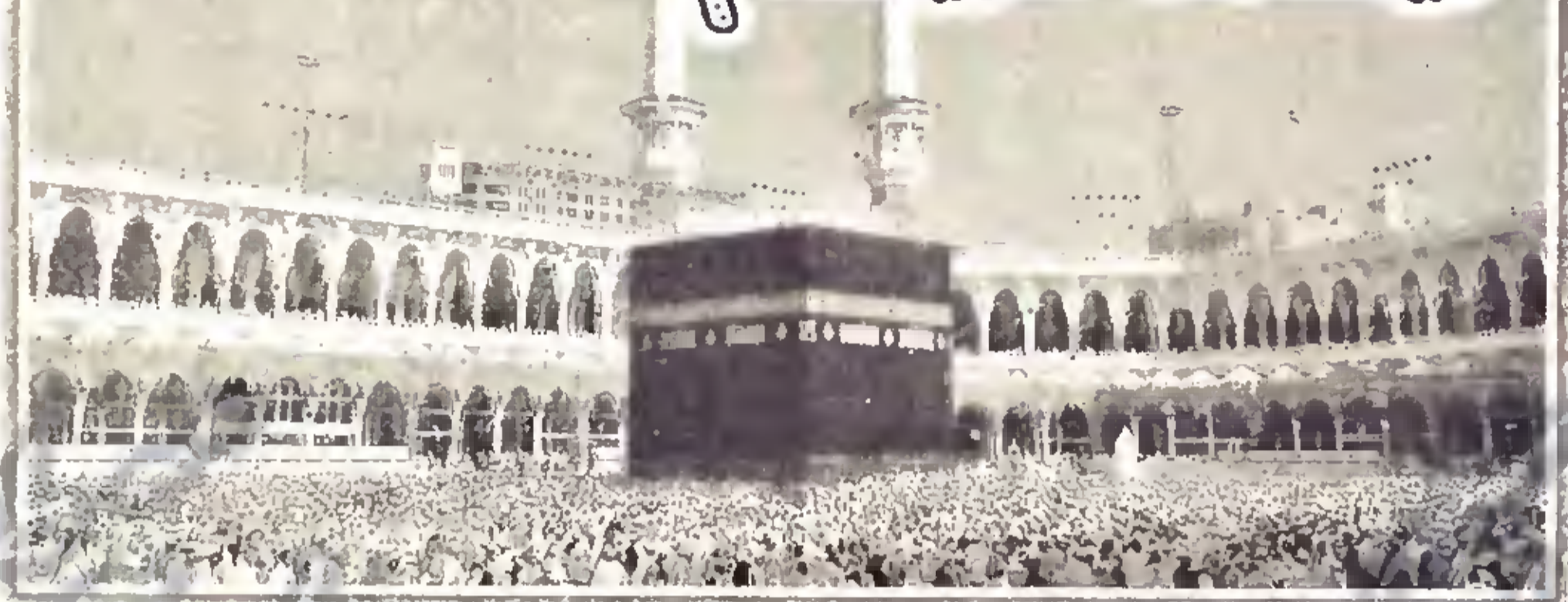
چند ہی دنوں بعد نویں جماعت کے امتحانات ہوئے، پھر پریکٹیکل کا مرحلہ آیا۔ اس دن سب کا آخری پریکٹیکل تھا۔ سب خوش تھے۔ اس دن شائل کو شوز کی بجائے چیل پہن کر آنے پر سب اساتذہ سے ڈانٹ پڑی تھی۔ اس نے بتایا کہ کل گھر جاتے ہوئے اچانک شوز کا تلوا الگ ہو گیا۔ آج میں بھائی کے ہمراہ بازار جا کر نئے شوز خریدوں گا۔ شائل کے والدین اس کی کم عمری میں ایک حادثے میں جاں بحق ہو چکے تھے۔ بن ماں باپ کے بچے کی پرورش اس کے بھیا بھائی نے کی تھی۔ دونوں نے اسے اپنی اولاد کی طرح سمجھتے تھے کہ شائل ہمارا سب سے بڑا بیٹا ہے۔ کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ آج شائل کی چیل اسے ہمیشہ کے لیے معذور کر دے گی۔ شائل کے گھر کے راستے پر ایک لوکل ٹرین کی پٹری گزرتی تھی۔ اُسے روزانہ اسکول آتے جاتے عبور کرنا پڑتا تھا۔ بس سے اتر کر وہ اپنے خیالوں میں مست چل رہا تھا۔ جیسے ہی وہ ریل کی پٹری عبور کرنے لگا، شائل کی چیل پٹری میں پھنس گئی۔ وہ جھک کر پٹری سے اپنی چیل نکال رہا تھا کہ آنا فانا ایک ٹرین اسے روندتی ہوئی گزر گئی۔ اس کی دونوں ٹانگیں بری طرح مجروح ہو چکی تھیں۔ آس پاس کے لوگوں نے شائل کو فوری طور پر اسپتال لے گئے جہاں اس کی جان تو بچ گئی مگر اس کی نوٹی ہوئی ٹانگیں اس کے جسم سے جدا کرنی پڑیں۔ شائل کے اس طرح معذور ہو جانے پر اس سے متعلقہ ہر شخص افسردہ اور غم سے نڈھال تھا۔ اب ایک بھاگ بھاگ کر کام کرنے والا بچہ ہمیشہ کے لیے معذور ہو چکا تھا۔ جو بچے نادیا کے بدعائیں دینے والے واقعے سے آگاہ تھے، وہ دبے دبے لفظوں میں اسے ملامت کر رہے تھے۔

اگلے دن اسکول کے پرنسپل صاحب نے شائل کی جلد صحت یابی کی دعا کے بعد بڑے منموم الفاظ میں بچوں کو یہ بات بھی سمجھائی کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے دن و رات میں قبولیت کی کچھ مخصوص ساعتیں مقرر کر رکھی ہیں۔ پس اس لیے کسی کے لیے بھی منہ سے بدعائیں نہیں نکالنی چاہئیں۔ اگر منہ سے نکلی ہوئی بدعائیں پوری ہو جائے تو زندگی بھر کا پچھتاوا رہ جاتا ہے۔ اس واقعے نے نادیا کو اتنا متاثر کیا کہ اس کی شخصیت ہی بدل گئی، اس نے رو رہ کر شائل سے معافی مانگی۔ اب نادیا ہر کسی سے عاجزی و خلوص سے ملتی ہے، کبھی بھولے سے بھی کسی کو بدعائیں نہیں دیتی۔

☆☆☆

راشد علی نواب شائق

پیارے اللہ کے پیارے نام



درخت بن گیا۔ اس پر پھل لگے اور پھر وہ پھل انسانوں نے کھائے جو انسان کی صحت کے لیے مفید ہیں۔

محفوظ گھر

فرعون ایک بہت ظالم بادشاہ تھا۔ اس کے ایک نبوی نے ایک دن اسے بتایا: ”تیرے ملک میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو بڑا ہو کر تیری بادشاہت ختم کر دے گا۔“ یہ سننا تھا کہ فرعون نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ جو بچہ بھی پیدا ہو اسے ذبح کر دیا جائے۔

ہزاروں بچے اس ظالم بادشاہ نے ذبح کر دیئے۔ فرعون اپنے آپ کو رب کہتا تھا: ”سب سے بڑا رب میں ہوں۔“ لیکن اللہ تعالیٰ اس بچے کی حفاظت کرنا چاہتے تھے اور اس بچے سے اس کی تہمت ختم کروانا چاہتے تھے۔ جب یہ بچہ پیدا ہو گیا تو اس کی والدہ ہر وقت ڈرتی تھیں کہ میرے اتنے خوب صورت بچے کو فرعون ذبح نہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی والدہ کے ذہن میں یہ خیال ڈالا کہ بچے کو صندوق میں ڈال کر دریائے نیل کے حوالے کر دیں۔ اللہ تعالیٰ اس بچے کو واپس ان کے پاس لوٹا دیں گے۔ اس ”الْحَفِیْظُ جَلَّ جَلَالُهُ“ نے صندوق میں اس بچے کی حفاظت فرمائی، ورنہ صندوق میں اس بچے کو وہ بھ کون پلاتا؟ یہ سانس کیسے لیتا؟ دریا کی بڑی بڑی پہاڑ جیسی مچھلیوں کی حفاظت کیسے ہوتی؟

الْحَفِیْظُ جَلَّ جَلَالُهُ (سب کی حفاظت کرنے والا) الْخَفِیْظُ جَلَّ جَلَالُهُ وہ ہے جو تمام دنیاوی کاموں میں اپنے بندوں کو بلاکت سے بچاتا ہے۔ قرآن کریم میں مبارک نام تین مرتبہ آیا ہے۔

”اس کی حفاظت کا انتظام زمین و آسمان کے ذرے ذرے اور پتے پتے پر ہے۔“

حفاظتی انتظام

”الْحَفِیْظُ جَلَّ جَلَالُهُ“ نے ہر ایک چیز کا انتظام بھی اسی اعتبار سے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض جانوروں کو سینگ دیئے تاکہ وہ اپنی حفاظت کر سکیں۔ پرندوں کو پر دیئے تاکہ پرہوں سے اڑ کر وہ اپنی حفاظت کر سکیں اور کچھ کو بچے دیئے تاکہ وہ اپنے بڑے بڑے نوکیلے بچوں سے اپنی حفاظت کر سکیں اور بعض جڑی بوٹیوں پر کانٹے لگا دیئے تاکہ جان دار انہیں نہ کھا سکیں۔ یہ کانٹے ان کے لیے سینگ ہیں۔ بادام اور اخروٹ کی حفاظت ان کے چٹکوں کے ذریعے کی۔

ایک چھوٹا سا بیج زمیں میں بویا گیا تو اس سخت زمیں میں اس بیج کی حفاظت کی۔ اسے خراب ہونے سے بچایا، پھر سورج اور چاند کی روشنی سے اس کی پرورش کی۔ پھر آہستہ آہستہ وہ پورا ایک

لیکن ماں نے اللہ تعالیٰ کی حفاظت پر بھروسہ کیا۔ وہ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے ذبح ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اب یہ صندوق اس بچے کا محفوظ گھر تھا۔

ایک دن فرعون اور اس کی ملکہ دریائے نیل کے کنارے تفریح کے لیے گئے تو دور سے ملکہ نے ایک صندوق دیکھا۔ ملکہ نے وہ صندوق منگوا دیا تو دیکھا کہ صندوق میں ایک حسین و جمیل بچہ مسکرا رہا ہے۔

ایک نوکر نے فرعون سے کہا کہ یہ وہی بچہ نہ ہو، اس لیے اسے قتل کر دیا جائے مگر ملکہ کے دل میں اس کی محبت بیٹھ گئی تھی۔ ملکہ نے اسے پیار کیا اور فرعون سے کہا:

”اسے قتل نہ کرو، یہ تو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔“

فرعون نے اپنی ملکہ کی بات مان لی۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے دشمن کے گھر میں ہی اس بچے کی پرورش کروائی۔

فرعون اور اس کی پولیس اس بچے کا کچھ نہیں بگاڑ سکی۔ ملکہ چوں کہ اس بچے سے پیار کرتی تھی، اس لیے محل کی دوسری خادما میں اور رانیاں بھی اس سے پیار کرنے لگیں۔ جب اس بچے کو محل میں لایا گیا تو یہ بچہ کسی کا بھی دودھ نہ پیتا تھا۔ ملکہ پریشان ہوئی۔ اس بچے کی بہن اپنے بھائی کے بارے میں معلوم کرنے گئی تو عورتوں کو یہ باتیں کرتا سنا کہ ملکہ کو ایک ایسی عورت کی ضرورت ہے جو اس بچے کو دودھ پلائے۔ اس کی بہن فرعون کے محل گئی اور کہا:

”میں ایسی عورت کو جانتی ہوں۔“ پنناں چہ بچے کی ماں کو بنا دیا گیا۔ جب بچے کی ماں نے اسے اٹھایا تو وہ اُن سے چمٹ گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی فرعون کی بادشاہت ختم ہونے کا ذریعہ بنے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی تو انہوں نے فرعون کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلا دیا۔ فرعون مقابلے میں آگیا اور پورے لشکر اور فوج کے ساتھ ان کے پیچھے ہولیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے آگے دریائے نیل تھا اور تعاقب میں فرعون اور اس کا لشکر۔ اللہ تعالیٰ نے دریائے نیل کے کنارے پہنچنے کے بعد حکم فرمایا: ”اپنا عصا پانی پر ماریں۔“ عصا مارنے سے دریا میں بارہ راستے بن گئے۔ راستے ایسے تھے کہ مٹی بھی گیلی تک نہیں تھی، بلکہ کچی سڑک کی طرح تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں سمیت خیریت سے گزر گئے۔

فرعون کے سپاہیوں نے کہا:

”اے بادشاہ! یہ راستے تو آپ کے لیے بنے ہیں اس لیے چلیے، ان کا پیچھا کر کے ان کو ختم کر دیں۔“ فرعون تکبر میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ دریا میں داخل ہو گیا۔ جیسے ہی فرعون اور اس کا لشکر دریائے نیل پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے پانی کو حکم دیا کہ وہ آپس میں مل جائے۔ اس طرح فرعون اور اس کا سارا لشکر دریا میں غرق ہو گیا اور فرعون کی لاش کو اللہ تعالیٰ نے دریا سے باہر نکال دیا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس کا مفہوم ہے: ”ہم نے فرعون کی لاش کو باہر پھینک دیا تاکہ قیامت تک اس کی لاش دُنیا والوں کے لیے عبرت بنی رہے۔“

پنناں چہ آج بھی فرعون کی لاش مہر کے غائب گھر میں عقیق والوں کے لیے عبرت کا نشان ہے۔

صبح و شام

ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ جو شخص صبح اور شام تین مرتبہ یہ کلمات پڑھ لے اسے کوئی موذی اور زہریلا جانور نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

”أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ“
ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کے سارے نفع دینے والے شفا دینے والے کلمات کے ذریعے اس کی تمام مخلوق کے شر سے پناہ چاہتا ہوں۔

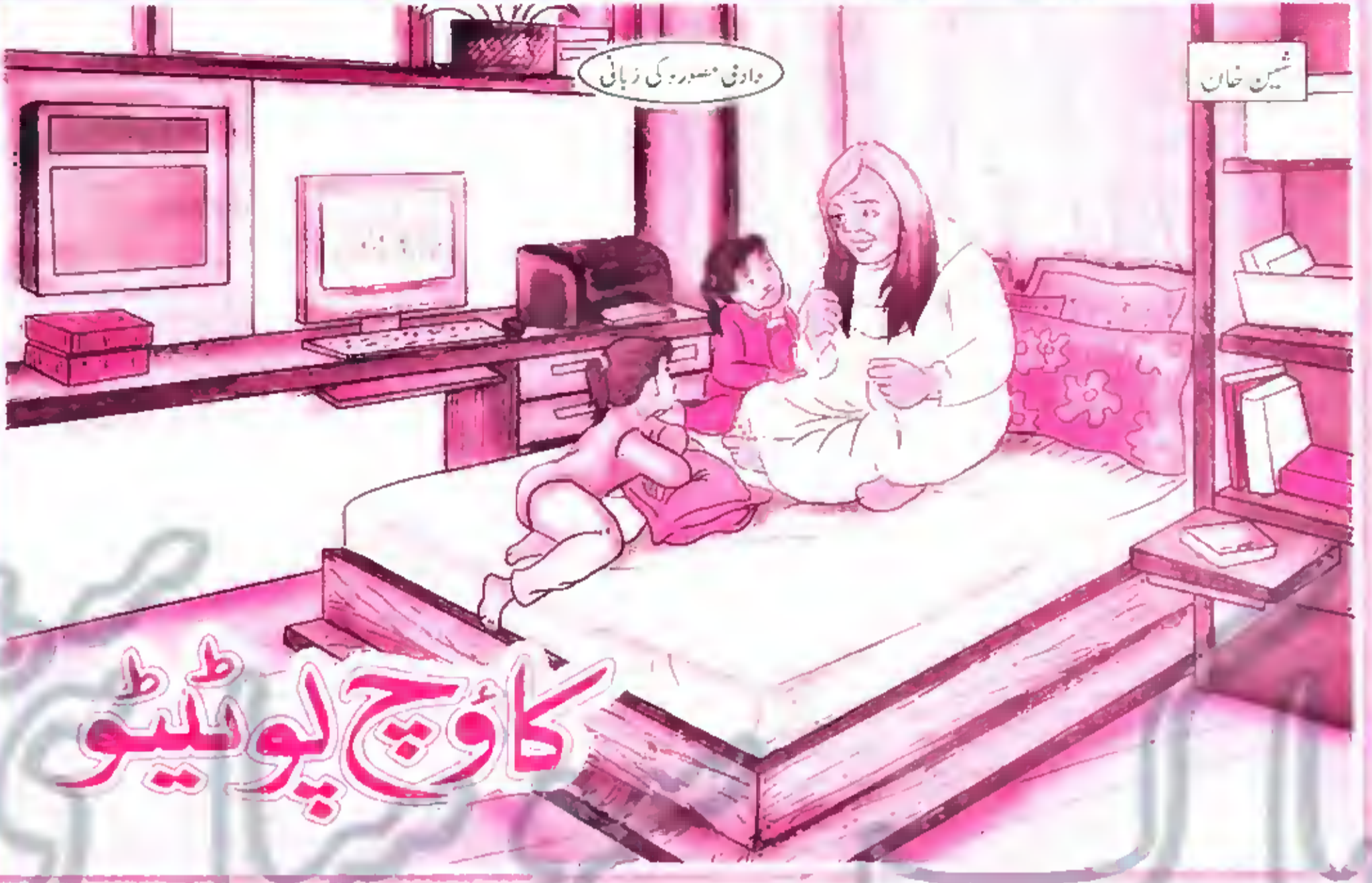
یا اور کہنے کی باتیں

☆ حفاظت کرنے والی ذات صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ جب ہم اس کی حفاظت میں آجائیں گے تو ہمیں کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔

☆ ہم ایسی دعائیں مانگا کریں جن سے ہماری حفاظت ہوتی ہے۔ ان کے دعاؤں کے مانگنے میں صرف چند منٹ لگتے ہیں۔

☆ ہم اپنی نمازوں کی حفاظت کریں۔ نمازوں کی حفاظت کا مطلب ہے کہ اسے وقت پر باجماعت مسجد میں خاص طور سے فجر کی نماز مسجد میں جا کر جماعت سے پڑھیں اور بیچیاں گھر دوں میں ادا کرنے کا اہتمام کریں۔ حدیث شریف میں ہے: جو صبح کی نماز پڑھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری (اور حفاظت) میں آجاتا ہے۔

☆ ☆ ☆



کاؤچ پوئٹری

کرتے دکھائی دیتے۔ کھیتوں کے پار اسکول تھا جس پر لہراتا ہوا سبز بلالی پرچم دور سے نظر آتا تھا۔ شاعری اور روشنی اسی اسکول میں پڑھنے جاتی تھیں۔ انیس کوئی اسکول چھوڑنے نہیں جاتا تھا۔ وہ دونوں ہنستی کھیلتی کھیتوں سے گزر کر اسکول پہنچ جاتیں۔ اسکول میں جوق در جوق بچیاں جاتی تھیں۔ چھٹی کے وقت اسکول کے گیٹ کے باہر دور سے آنے والی بچیوں کو لینے والی گاڑیاں اور موٹر سائیکل موجود ہوتے تھے۔

دادی مصورہ تو گھر پر ہی کھانا تیار کرتی تھیں۔ باہر جا کر کھانے پینے کا رواج ہی نہ تھا لیکن دادی مصورہ اتنی مہارت سے اور بدل بدل کر کھانا بناتیں کہ شاعری اور روشنی کو کبھی کھانے سے اکتاہٹ نہ ہوئی۔ شاعری اور روشنی دادی کا بنا ہوا کھانا بہت شوق سے کھاتی تھیں۔

دادی مصورہ اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون تھیں وہ اسلام کا گہرا مطالعہ رکھتی تھیں۔ یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی، اصل کہانی اب شروع ہوتی ہے۔

شاعری اور روشنی کے پاس ایک موبائل تھا جو ان کے بابا ان

یہ کہانی ہے ایک محبت کرنے والی دادی اور اس کی دو پیاری پوتیوں کی، دادی محبت بانٹنے والی خاتون تھیں۔ کھانے پینے کی چیزیں یا امداد کم یا ختم ہو جاتی ہے لیکن محبت بانٹنے سے ذرا سی بھی کم نہیں ہوتی۔

بر دادی کا کوئی نہ کوئی نام ہوتا ہے۔ دادی کا نام مصورہ تھا دادی مصورہ کی محبت بھی ایسی ہی تھی۔ دو پیاری پیاری پوتیوں میں سے سب سے بڑی کا نام شاعری اور چھوٹی کا نام روشنی تھا۔ یہ انوکھے اور خوب صورت نام بھی دادی مصورہ نے رکھے تھے۔ شاعری اور روشنی کے ماما اور بابا اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے ملک سے باہر گئے ہوئے تھے۔ شاعری اور روشنی اپنی خوش اخلاق اور خوش لباس دادی مصورہ کے ساتھ پھولوں اور سبزے سے لدے چھوٹے بگڑ خوب صورت گھر میں رہتی تھیں۔ اس گھر میں ان کا دل بہت لگتا تھا۔ گھر کے قریب ہی برے برے کھیت تھے جن کے پیچھے پختہ روٹیں تھیں۔ یہ ماڈل کھیت تھے۔ ان روشوں پر سیر کرتے ہونے شاعری اور روشنی کے جوتے مٹی سے نہیں بھرتے تھے۔ دادا سنجیدہ مزاج شخص تھے۔ وہ اپنے ملازمین کے ساتھ اکثر یہاں کام

سے پکینے لگی تھی۔

”او کے بیٹا..... اس مسئلے کا ایک حل تو یہ ہے کہ تم دونوں کے الگ الگ موبائل ہوں..... دوسرا حل یہ ہے کہ اسی موبائل پر تم اپنے اپنے ٹائم فکس کر لو..... فی الحال روشنی تم اپنا میسج کر کے اسے یہیں رکھ دو۔ تم دونوں یونی فارم بدلو اور کھانے کی میز پر آ جاؤ..... آج رات میں تمہیں موبائل کے متعلق ایک بچے کی دل چسپ کہانی سناؤں گی۔ اس کے بعد تم دونوں خود ہی فیصلہ کر لو گی کہ موبائل سے کتنا کام لینا چاہیے۔“

”آ رہی ہیں ہم دادی جان۔“ دونوں بیک وقت بولیں۔

اس وقت رات کے دس بج رہے تھے۔ رات کا کھانا، عشاء کی نماز اور نیند سے پہلے کا دودھ کا گلاس سب میں تقسیم ہو چکا تھا۔ شاعری اور روشنی کے بستر دادی مصورہ کے دائیں بائیں تھے، ان کا بیڈروم کافی کشادہ تھا۔

”دادی اب آپ وہ کہانی سنائیے، ہم نے ٹی وی بند کر دیا ہے۔“ شاعری نے ٹی وی بند کرتے ہوئے کہا۔

”جی دادی..... پھر مجھے نیند آ جائے گی۔“ روشنی نے کھل اور بھا۔

”چلو ٹھیک ہے، میں کہانی سناتی ہوں۔“ دادی نے لائٹ آف کر کے زبرد کا بلب آن کیا اور دونوں کے درمیان ٹیکے سے پشت ٹکا کر نیم دراز ہو گئیں۔

”اب تم دونوں آنکھیں بند کر لو..... تصور کرو..... کہانی بھی ایک زندگی ہوتی ہے۔ اس کو گہرا تصور کر کے لطف اندوز ہوا جاتا ہے۔ نو سالہ مون اپنے کمرے میں صوفے پر لیٹا ہے اور اس کے

باتھ میں اس کا موبائل ہے۔ مون اپنے والدین کا اکلوتا بچہ ہے۔ ان دنوں اس کے ماما، بابا کسی ایمر جنسی کی وجہ سے گھر سے باہر ہیں اور مون کو پرانی آیا کی دیکھ بھال میں چھوڑ گئے ہیں۔ مون کے تو عیش ہی ہو گئے ہیں۔ وہ آیا کی بات پر کان نہیں دھرتا اور

من مانی کرتا ہے۔ آج اتوار تھا۔ صبح کے سات بجے تھے۔ مون رات سے موبائل پر گیم کھیل رہا تھا۔ آیا اندر داخل ہوئی۔ کھڑکی کے پردے کھینچے تو کمرہ دن کی روشنی سے منور ہو گیا.....“ دادی نے منظر کشی خوب کی۔

”منور ہونا کیا ہوتا ہے؟“ روشنی نے سوال کیا۔

”روشن ہو گیا۔ ہاں تو کھڑکی کا پردہ ہٹ چکا تھا۔ کھڑکی کے

کو دے گئے تھے تاکہ وہ اس پر ان سے بات کر سکیں۔ دونوں اسکول سے آ کر موبائل اٹھاتیں اور اس بات پر لڑتی جھگڑتی کہ پہلے میں نے اٹھانا ہے۔ ان کا شور سن کر ایک دن دادی مصورہ ان کے کمرے میں چلی آئیں۔ شاعری کے ہاتھ میں موبائل تھا اور روشنی اس کو لینے کے لیے جھپٹ رہی تھی۔ دادی نے ڈانٹ کر کہا۔

”میں دیکھتی ہوں روزانہ اسکول سے آ کر تم دونوں میں موبائل پر جھگڑا ہوتا ہے، مسئلہ کیا ہے بچو؟“

”دادی..... ہم شرط لگا کر آئے تھے جو پہلے پہنچے موبائل اس کا ہو گا۔ میں پہلے پہنچی ہوں، اب یہ مجھ سے موبائل کیوں چھین رہی ہے۔“ شاعری نے ٹھنک کر کہا۔ ”میں نے اپنی دوست کو ضروری میسج کرنا ہے۔ اس کی نوٹ بک میرے بیگ میں رہ گئی ہے۔“ روشنی چلائی۔

”بیٹھ جاؤ..... بیٹھ جاؤ..... موبائل یہاں میز پر رکھ دو۔ میں بھی یہاں بیٹھ جاتی ہوں..... روشنی آپ نے تو میسج کرنا ہے..... شاعری بیٹا! آپ نے کیا کرنا ہے؟“

”میں گیم کھیلوں گی..... کل ہمارا ٹیسٹ نہیں ہے۔ آج میرے پاس وقت ہے۔“

”دادی مصورہ..... گیم بہت لمبی ہوتی ہے۔ یہ گھنٹوں موبائل لے کر بیٹھی رہے گی۔“ روشنی چیخ پڑی۔

”مگر میں اپنے موبائل پر صرف کال یا میسج کرتی ہوں..... آج کل موبائل پر انٹرنیٹ کے ذریعے بہت سے Apps کھلتے ہیں۔ فیس بک، ٹویٹ، انسٹا، مگر یہ تو ٹائم برباد کرنے والی بات ہے۔“

”ہم ماما بابا سے اسکا پ پر بات بھی تو کرتے ہیں۔ اپنی پوسٹ، ویڈیوز پکس بھیجتے ہیں..... ڈیئر دادی..... اس پر ہر طرح کی ریسرچ ہوتی ہے۔“ شاعری خود کو زیادہ سمجھ دار سمجھتی تھی کیوں کہ وہ

روشنی سے ایک سال بڑی تھی۔

”جب اتنا کچھ ایک پرزہ کرے گا تو ہمارے پاس باقی زندگی کے لیے کیا وقت بچے گا؟ ہم تو اسی جادو کے کھلونے میں لگے رہیں گے، ٹیکنالوجی کے غلام بن جائیں گے۔“ دادی نے جواب دیا۔

”ہم ہوم ورک کر تو لیتے ہیں۔ اسکول بھی جاتے ہیں اور ہم نے کیا کرنا ہے۔ آپ پلیز مجھے یہ اٹھانے دیں۔“

روشنی کو نصیحت بالکل پسند نہیں تھی۔ لہجہ اس کے چہرے

نے کیا کرنا ہے۔ آپ پلیز مجھے یہ اٹھانے دیں۔“

روشنی کو نصیحت بالکل پسند نہیں تھی۔ لہجہ اس کے چہرے

یہ گئے؟“

مون نے اقرار میں سر ہلا دیا۔ آیا جوس کا گلاس لے کر آئی تو مون نے آلو کے چپس کا مطالبہ کر دیا۔ مون سوفا ڈرنکس، چپس، برگر، زنگر کا بہت شوقین تھا۔ آیا کا کام حکم بجالانا تھا مون انکار نہیں کرتا تھا۔

اب دوپہر ہو چلی تھی۔ مون پہلو بدل بدل کر صوفے میں بیٹھے بیٹھے کئی گھنٹے گزار چکا تھا۔ کھانے پینے کے برتن آتے اور جاتے رہے، آیا سمجھاتی، بڑبڑاتی رہی۔ مون کے کان پر جوں تک نہ رہی، جب اس کی آنکھیں بڑی طرح تھک گئیں تو گردن کے پٹھے دکھنے لگے۔ لیپ ٹاپ اور موبائل کی بیٹری ڈاؤن ہو گئی تو ناچار دونوں کو چارجنگ پر لگا کر وہ صوفے پر ہی ٹانگیں پیر کر سو گیا۔ مون کی جب آنکھ کھلی تو نزدیکی گراؤنڈ سے کرکٹ کھیلنے والوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ اس کے دوست عمر اور نیل اسے بلانے آئے تھے مگر سوتا پا کر واپس چلے گئے۔ مون نے سوچا، وہ ابھی جا کر ان کے ساتھ کھیل میں شامل ہو گا مگر جب اس کی نظر اپنے موبائل فون اور لیپ ٹاپ پر پڑی تو وہ فل چارج ہو چکے

پار سبز بیادوں میں ایک چڑیا چھبھاری تھی۔ وہ بہت خوش نظر آتی تھی کیوں کہ چند دنوں کے ناشتے سے اس کا پیٹ بھر جاتا تھا۔ وہ مطمئن اور خوش رہتی۔ دن شفاف تھا، ہوا خوش گوار تھی۔ باغیچے میں کچھ کلیاں کھل کر پھول بن گئی تھیں جن کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ فضا میں پرندے اٹکھلیاں کر رہے تھے۔ اتنی ساری نعمتیں مفت ملیں تو چڑیا کیوں نہ خوش ہوتی۔ یہ تو ہم انسان ایسے ناشکرے ہیں کہ ان چیزوں کو نعمت ہی نہیں سمجھتے۔ چاک و چوبند چڑیا درخت کی شاخوں میں اچھل کود رہی تھی۔ وہ مون کو اپنی چھبھاہٹ سے باہر بلانا چاہتی تھی۔ باہر بچے کھیل رہے تھے لیکن مون کو اس کی چھبھاہٹ سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اس نے رات ایک نئی گیم ڈاؤن لوڈ کی تھی۔ یہ گیم بہت لمبی اور درجہ دار تھی۔ اس کے Steps ختم ہونے میں نہ آتے تھے۔ ابھی تو وہ Step فور میں تھا۔

”اس کے کل کتنے Steps تھے۔“ شاعری لچکا کر بولی۔

”پتا نہیں، مون تو آٹھ ڈاؤن لوڈ کر پایا تھا۔ وہ اسے جیت کر اٹھنا چاہتا تھا۔“ آیا نے اس کی بکٹری ہوئی چیزیں سمیٹتے ہوئے کہا۔

”اب بس کر دو مانی ڈیڑھ من، باہر نکلو۔ کھیلو کو دو۔۔۔۔۔ جوس



آیا معمول کے مطابق اسکول کی تیاری کے لیے مون کو جگانے کے لیے کمرے میں آئی۔ آیا کے ہاتھ میں مون کا استری شدہ یونی فارم تھا۔ جو مون کو دے کر اس کا ناشتہ لانا تھا مگر مون کہیں دکھائی نہ دے رہا تھا۔ آیا ادھر ادھر جھانکتے ہوئے اسے آوازیں دینے لگی۔ ”مون بابا..... مون بیٹا۔“

پھر وہ ہاتھ روہم کی طرف بڑھی مگر ہاتھ روم کا تو دروازہ ہی کھلا ہوا تھا۔ مون کہاں چلا گیا؟ اچانک آیا کی نظر صوفے پر پڑی۔ ڈر کے مارے آیا کے منہ سے چیخ نکل گئی..... صوفے پر بھدا موٹا آلو نما مون پڑا تھا جو آنسو بھری آنکھیں پہنچا رہا تھا۔ مون کی عینک کھلے لیپ ٹاپ کے کی بورڈ پر پڑی تھی..... یہ تھی مون کی کہانی..... اس کہانی کا نام ہے کاؤچ پوٹینو یعنی صوفے پر بیٹھا ہوا آلو..... بچے اس کے کارٹون بناتے ہیں اور ہنستے ہیں لیکن ہمیں اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے..... مجھے وہ سبق بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ شاعری تم بتاؤ تمہیں کاؤچ پوٹینو کی کہانی سے کیا سبق حاصل ہوا؟ ”وادی..... میں تو ذرا ہی گئی ہوں۔ انسان کو ہر وقت ایک ہی کام نہیں کرتے رہنا چاہیے۔ اللہ نے انسان کو تمام اعضاء کام میں لانے کے لیے دیئے ہیں.....“

”جی ہاں، بیٹا۔“

”اور دادی..... ایک جیسی چیزیں بھی نہیں کھاتے رہنا چاہیے..... یہ بھی تو ہے۔“ روشنی نے لقمہ دیا۔

”بالکل ٹھیک بیٹا۔“

”اُف مون بے چارہ.....“ شاعری منہ پر کھیل لیتے ہوئے بڑبڑائی۔ ”اب میں موبائل پر کبھی نہیں لپچاؤں گی۔“

”اب آپ دونوں کلمہ طیبہ پڑھ کر سکون سے سو جاؤ۔ آئندہ موبائل پر جھگڑانہ کرنا۔ موبائل پر ڈرامے، فلمیں، کچھ بھی جو طویل اور تھکا دینے والا ہو، مت کیا کرنا..... موبائل رابطے کی مشین ہے، اس پر کال کرو اور سنو۔ لکھ کر پیغام دو یا فونٹوز کا تبادلہ کر لو..... انسان پر اللہ کے عائد کردہ احکام بھی ہیں۔ گھر والوں کا بھی ہم پر حق ہوتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کو وقت اور توجہ دیں، حتیٰ کہ پرندوں، جانوروں کا بھی ہم پر حق ہے.....“

دونوں بچیاں ”جی“ کہتی ہوئیں نیند کی آغوش میں چلی گئیں۔

☆☆☆

تھے۔ اس کا جی پھر لپچا گیا۔ اس نے سوچا کہ وہ صرف اپ ڈیش چیک کرے گا، مگر جب ایک بار پھر وہ جاوئی اسکرین کی دنیا میں داخل ہوا تو کھو گیا۔ وہ اپنی ادھوری ٹیم پوری کرنے میں گم ہو گیا۔ صوفے پر بیٹھے بیٹھے رات ہو گئی۔ اتوار کا دن ڈھل چکا تھا۔

مون کو ہوم ورک کی بھی تسلی ہو گئی تھی کیوں کہ ابھی ابھی نیل کے برقی سندیے (میج) سے پتا چلا تھا کہ تین چھٹیوں کا اعلان ہو گیا ہے جب آیا رات کا کھانا لائی تو مون نے اسے بتا دیا کہ تین دن کی چھٹیاں ہو گئی ہیں اور اسے صبح جلد نہ اٹھایا جائے۔

رات کے بارہ بجے تک جاگنے اور آنکھیں تھکانے کے بعد مون کھل لے کر صوفے پر لیٹا رہا۔ اس دوران اس نے بار بار بے تحاشا کھایا پیا اور دانت بھی صاف نہ کیے۔ صبح دس بجے مون کی آنکھ کھلی۔ اسے یہ یاد کر کے بہت خوشی ہوئی کہ آج بھی چھٹی ہے، اسکول ٹیسٹ کی تیاری وہ کل یا پرسوں کر لے گا۔ ابھی تو وہ پلیٹ بھر کر آلو کے چپس کھائے گا، جی بھر کر سوفا ڈرنکس پیے گا، آکس کریم اور ٹافیاں بھی کھائے گا، اس کے پاس ایکشن اور سسپنس کی فلمیں تھیں۔ ایک بار پھر وہ نہائے دھوئے بغیر صوفے میں جم کر بیٹھ گیا۔ کھانے پینے اور فلم دیکھنے کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ آیا بے چاری بھی تھک بار کر چپ ہو گئی تھی۔ اس نے نصیحت کرنا چھوڑ دی کیوں کہ وہ جانتی تھی مون بابا پر کسی نصیحت کا اثر نہیں ہوتا۔ وہ مون کو کمرے میں رکھے سامان کا حصہ سمجھنے لگی۔ چڑیا، بھی اب مون کے لیے نہیں چھباتی تھی۔ مون کھڑکیوں کے پردے ہٹانے نہیں دیتا تھا تاکہ اسے اسکرین روشن نظر آئے۔

آیا کو زکام اور بخار ہو رہا تھا۔ وہ دوا کی گولی کھا کر آرام کرنا چاہتی تھی، چنانچہ مون کے کمرے میں بار بار آنے جانے سے بچنے کے لیے وہ کھانے پینے کی اشیاء کی ٹرے بھر کر مون کے کمرے میں رکھ گئی۔ اس ٹرے میں برگر، پیزا، سینڈویچ، آلو، سکت، مٹھائی، چاکلیٹ اور کولڈ ڈرنکس تھیں۔ اس میں کوئی تازہ پھل، سبزی کا سالن، تازہ پانی، انڈے یا پھلی نہ تھی۔ مون ایک غیر متوازن اور نشائستہ اور مٹھاس سے بھری ہوئی غذا مسلسل کھا رہا تھا۔ وہ حرکت اور ورزش نہیں کرتا تھا۔ اللہ کو یاد بھی نہیں کرتا تھا، اس کے جسم میں آنکھوں کے سوا کوئی عضو متحرک نہ تھا۔ وہ بیٹھے بیٹھے کھاتا اور کھیلتا رہتا، اس طرح چھٹیاں ختم ہو گئیں۔

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائس کو الٹی پی ڈی ایف
ایڈ فرس لنکس
ایک کلک سے ڈاؤن لوڈ
ڈاؤن لوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر
کتاب کی مختلف سائزوں میں اپلو ڈنگ
ناولز اور عمران سیریز کی مکمل ریجنج

Click on <http://paksociety.com> to Visit Us

<http://fb.com/paksociety>

<http://twitter.com/paksociety1>

<https://plus.google.com/112999726194960503629>

پاک سوسائٹی کو فیس بک پر جوائن کریں

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں

پاک سوسائٹی کو گوگل پلس پر جوائن کریں

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس

بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

Dont miss a singal one of your Favourite Paksociety's Update !

- i. Open Paksociety Page.
- ii. Click Liked.
- iii. Select Get Notifications.
- iv. Select See First.

All Done

Like Message

Get Notifications
Add to Interest Lists...

Unlike

IN YOUR NEWS FEED

See First
See new posts at the top of News Feed

Default
See posts as usual

Unfollow

شیخ عبدالحمید عابد



شتر مرغ

ہوتے ہیں اور جسامت میں یہ 9 فٹ تک لمبے ہو سکتے ہیں، یعنی ایک آدمی سے بھی کہیں لمبے ہو سکتے ہیں۔ شتر مرغ کا جسم چھوٹے چھوٹے پڑوں سے ڈھکا ہوتا ہے۔ ان کے پڑوں کا رنگ کالا اور ڈم پر سفید رنگ کے پڑ ہوتے ہیں جب کہ مادہ شتر مرغ کے پڑ سرخسی رنگ کے ہوتے ہیں۔ شتر مرغ کی آنکھ کا سائز 2 انچ ہوتا ہے۔ یہ کسی بھی جانور کی آنکھ سے بڑی آنکھ شمار کی جاتی ہے۔

شتر مرغ اپنی دوڑنے کی رفتار کے لحاظ سے بھی منفرد مقام رکھتا ہے۔ اپنی طاقت ہر ٹانگوں کی مدد سے یہ 40 کلومیٹر فی گھنٹا کی رفتار سے دوڑ سکتا ہے۔ یہ اپنی ٹانگوں کے وار سے شکاری کو بھی شکار کر سکتے ہیں۔

شتر مرغ اپنے پڑوں کو اڑانے کے لیے استعمال نہیں کرتے بلکہ اس کے پڑ دوڑتے ہوئے جسم کا توازن برقرار رکھنے اور سمت کی تبدیلی کے وقت بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

نیارے بچو! آپ نے اپنے ارد گرد بہت سارے خوب صورت پرندوں کو اڑتے دیکھا ہوگا۔ کیا آپ دنیا کے سب سے بڑے پرندے کے بارے میں جانا چاہیں گے؟

آئیے! آپ کو آج دنیا کے سب سے بڑے پرندے کے بارے میں معلومات دیتے ہیں۔ شتر مرغ کو آتش پر پایا جانے والا سب سے بڑا پرندہ ہے اور سب سے دل چسپ بات یہ ہے کہ سب سے بڑا پرندہ ہونے کے باوجود یہ اڑ نہیں سکتا۔

شتر مرغ بنیادی طور پر افریقہ میں پائے جاتے ہیں لیکن لنڈیز اور مزے دار بوشت کی بناء پر اس کی نسل کش پوری دنیا میں کی جا رہی ہے۔

شتر مرغ بہت ہی منفرد اور خوب صورت پنھلی دینے والا پرندہ ہے۔ اس کی ٹانگیں چمک دار ہوتی ہیں۔ جسم بڑا، جس کے اوپر چھوٹے چھوٹے پڑ ہوتے ہیں۔ شتر مرغ کی سران لمبی اور بہت دل کش دکھائی دیتی ہے۔

شتر مرغ ہمہ خور جانور ہے، مطلب یہ کہ سبزی بھی کھاتا ہے اور گوشت بھی۔ ان کی خوراک میں پودے، بیج، پتے، کیڑے

شتر مرغ اپنے وزن کے لحاظ سے 200 - 300 لڈ تک



مکوڑے، چھپکلیاں اور سانپ وغیرہ شامل ہیں۔
یہ جھنڈ کی شکل میں رہتے ہیں۔ عام طور پر
ایک جھنڈ میں دس شترمرغ شامل ہوتے ہیں اور
یہ تعداد 100 تک بھی بڑھ سکتی ہے۔

شترمرغ اپنی نسل بڑھانے کے لیے انڈے
دیتے ہیں۔ اس کے انڈے دنیا میں موجود کسی بھی
جانور کے انڈوں سے بڑے ہوتے ہیں۔ انڈہ سائز
میں چھ انچ بڑا اور وزن میں تین پاؤنڈ تک ہوتا
ہے۔ نر اور مادہ مل کر انڈوں کو سینتے ہیں۔ انڈے
سینے کا یہ عمل 40 سے 42 دنوں میں مکمل ہوتا ہے۔
انڈے سے نکلنے والا بچہ بہت خوب صورت ہوتا
ہے۔ نر اور مادہ مل کر بچے کی دیکھ بھال کرتے
ہیں۔ تین سے چار سال کی عمر میں بچہ مکمل نوجوان
شترمرغ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

دباتا نہیں بلکہ خطرہ محسوس کرتے وقت وہ اپنی گردن اور سر زمین پر
سیدھا جھکا لیتا ہے۔ ہمیں دور فاصلے سے دیکھنے پر ایسا لگتا ہے کہ
اس نے اپنی گردن زمین میں دبائی ہوئی ہے۔

شترمرغ کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ خطرے کے وقت
اپنی گردن زمین میں دبالیٹا ہے۔ حقیقتاً وہ اپنی گردن زمین میں

جس طرح گھوڑا ریس اور اونٹ ریس کا انعقاد کیا
جاتا ہے، اسی طرح کچھ افریقی ممالک میں لوگ
شترمرغ ریس کا انعقاد بھی کرتے ہیں اور اس
تفریحی کھیل سے اپنا جی خوش کرتے ہیں۔

شترمرغ کی ٹانگوں پر بال نہیں ہوتے اور پَر
میں صرف دو انگلیاں ہوتی ہیں۔ اس کی نظر
بہت تیز ہوتی ہے۔ پانی کے بغیر کئی دن تک
زندہ رہ سکتا ہے۔

پیارے بچو! اس خوب صورت پرندے کو اگر آپ
دیکھنا چاہتے ہیں تو پاکستان میں ہر چیز یا گھر میں
یہ بل کش اور حسین پرندہ دیکھ سکتے ہیں اور اپنا
دل بھاسکتے ہیں۔

☆☆☆



حضرت عیسیٰ علیہ السلام



جب حضرت عیسیٰ کو رسالت ملی تو اس وقت ان کی قوم میں دنیا جہاں کی تمام فرمایاں موجود تھیں۔ وہ لوگ اس قدر سرکش ہو گئے تھے کہ ان کے ایک بادشاہ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا تھا۔ اب آپ نے قوم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں خدا کا رسول اور پیغمبر ہوں۔ میں خدا کی جانب سے تمہارے لیے ہدایت کا پیغام لے کر آیا ہوں اور تمہاری اصلاح میرے سپرد ہوئی ہے اور خدا کے قانون اوریت کو جسے تم نے پس پشت ڈال کر رکھا ہے، اس کی تصدیق کرتا ہوں اور اس کی تکمیل کے لیے خدا کی کتب انجیل لے کر آیا ہوں۔ یہ کتاب حق و باطل کا فیصلہ کر دے گی۔ تمہارے لیے یہی بہتر اور مناسب ہے کہ خدا کے حضور میں جب تک جاؤ۔ یہی بہتر اور بھلائی کا راستہ ہے۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش ہی اللہ تعالیٰ کا بڑا عجز تھا مگر اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار ہنرے عطا کیے، جن کا قرآن حکیم میں ذکر آیا ہے۔ ایک تو یہ کہ آپ نہروں کو زندہ کر دیا کرتے تھے، دوسرے کسی اندھے کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا دیتے تو ان کی آنکھیں درست ہو جاتیں اور وہ دیکھنے لگ جاتا۔ تیسرے کسی کوڑھی کو پھونک مار دیتے تو وہ بھلا چڑگا ہو جاتا۔ چوتھے آپ سنی کے پرندے بنا کر ان پر پھونک مارتے تو وہ زندہ ہو جاتے اور اڑنے لگتے۔ حضرت عیسیٰ کی تعلیم کا خلاصہ یہ تھا کہ خدا ایک ہے، ان کی عبادت کرنی چاہیے۔ اچھے اعمال کرو۔ جو انبیائے کرام آپ کے ہیں یا نبی آخر الزمان جو تشریف لائے، ان کے پیچھے چلے، جن کا اسم گرامی احمد ہو گا، میں ان کی رسالت کی تصدیق کرتا ہوں۔ خدا کی مخلوق کے ساتھ محبت کرو۔ نہ سے کہہوں سے پر نیر کر اور میں تمہاری طرف خدا کا پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں تاکہ ان باتوں کو واضح کروں جن کے متعلق تم آپس میں جھگڑ رہے ہو۔ یہی سیدھی راہ ہے۔ خدا سے ڈرو، جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے لیکن نبی امرا کیل تو بہت ہی سرکش اور نافرمان ہو چکے تھے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت نے تو انہیں اور بھی بے باک بنا دیا تھا۔ اس لیے حضرت عیسیٰ کی تلمیح، وعظ و نصیحت نے ان پر کوئی اثر نہ کیا بلکہ وہ اٹکے ان کے دشمن ہو گئے۔ چونکہ یہ لوگ غریب اور سادہ مزاج تھے، انہوں نے حضرت عیسیٰ سے عرض کیا کہ اے عیسیٰ! کیا تیرا خدا ایسا کر سکتا ہے کہ وہ ہر سے ہے؟ ان سے کہا کہ ہاں، ان کے ہاتھ اڑا کر ان کا ہسٹرا بوسا تو حضرت عیسیٰ نے بارگاہ الہی میں دعا کی کہ اے اللہ تو ان کا سوال پورا کر۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی دعا قبول فرمائی۔ لیکن ساتھ ہی وحی کے ذریعے واضح کر دیا کہ اگر اس کے بعد بھی کسی نے حکم خدا کی نافرمانی کی تو پھر ان کو ایسا ہولناک عذاب دیا جائے گا کہ ان کے دل بھول جائیں اور ان کو نہ دیا گیا ہو گا۔ حضرت عیسیٰ نے نہ تو تمام نمر شاوی کی اور نہ ہی اپنے لیے مکان بنایا۔ صرف خدا کا پیغام ہر جگہ پہنچاتے رہے۔ وہ کہ خلق خدا کو وعظ و نصیحت فرماتے اور پیاروں کو شفا دیتے اور جہاں جاتے وہیں بھر لیتے۔ یہ وہی حضرت کے اس طریقے کو برداشت نہ کر سکے اور جب ان کو کوئی پیش نہ چلی تو انہوں نے یہ طے کیا کہ بادشاہ وقت کو آپ کے خلاف کر کے سولی پر لٹکا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو آگاہ کیا کہ دشمن جو تیرے خلاف تدبیریں کر رہے ہیں، یاد رکھو ہم ان سے بہتر طریقے تدبیر کرنے والے ہیں اور فرمایا کہ نہ تجھ کو دشمن قتل کر سکیں گے اور نہ ہی سولی دے سکیں گے۔ میں تجھ کو اپنی جانب انجانوں کو اور تجھ کو کافروں سے پاک رکھنے والا ہوں اور جو لوگ تیری پیروی کریں گے انہیں قیامت تک تیرے سنگتوں پر غالب رکھنے والا ہوں۔ چنانچہ جب یہ لوگ مکان کے اندر داخل ہوئے تو حضرت عیسیٰ کو پہچان نہ سکے اور شبہ میں پڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے کہ نہ تو حضرت عیسیٰ بن مریم کو قتل کیا گیا ہے اور نہ سولی پر لٹکا گیا بلکہ اللہ نے ان کو اپنی جانب اٹھا لیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ پھر فرمایا کہ کوئی اہل کتاب ایسا باقی نہیں رہے گا جو حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے آپ پر ایمان نہ لائے گا اور حضرت عیسیٰ قیامت کے دن اہل کتاب پر گواہ بنیں گے۔

جیل کے ساتھ کوہن چپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 فروری 2017ء ہے۔

نام: _____
 مقام: _____
 مکمل پتہ: _____
 موبائل نمبر: _____

جیل کے ساتھ کوہن چپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 فروری 2017ء ہے۔

نام: _____
 شہر: _____
 مکمل پتہ: _____
 موبائل نمبر: _____

میری زندگی کے مقاصد

کوہن پڑھنا اور پاسپورٹ ساڈا لینا ضروری ہے۔

نام: _____ شہر: _____
 مقاصد: _____
 موبائل نمبر: _____

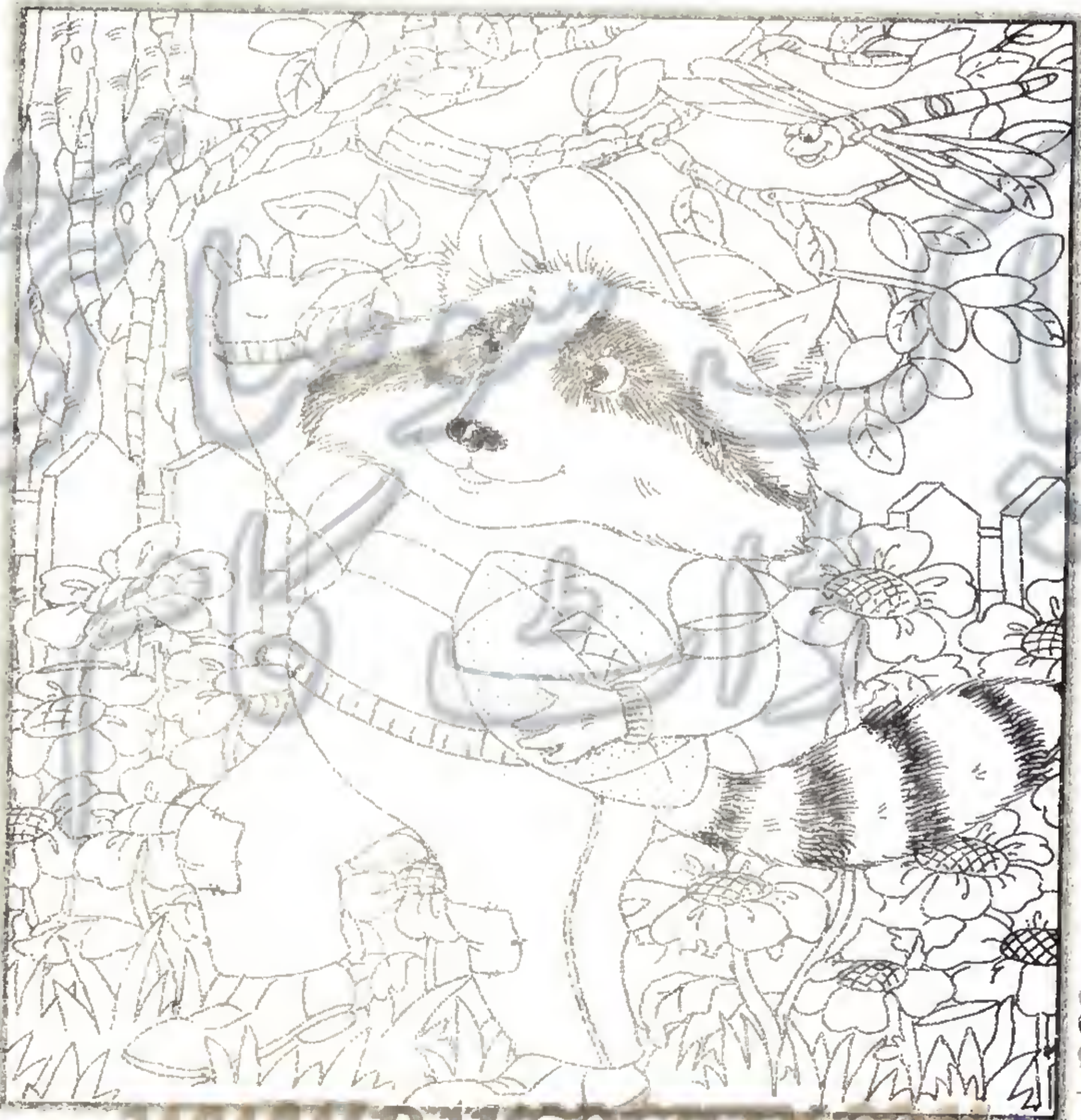
فروری کا مہینہ "بہشت میاں" اور مال کرنے کی آخری تاریخ 08 فروری 2017ء ہے۔

ہونہار مصور

نام: _____ عمر: _____
 مکمل پتہ: _____
 موبائل نمبر: _____



یہ چیزیں خاکے میں بھیجی ہوئی ہیں۔ آپ ان چیزوں کو تلاش کیجئے اور شاہد بن جائیے۔





امید کی ناپاکی

کی امید دلا کر رہا نہ ہو جاتا۔
 آج بھی جب وہ اپنے گھر سے روانہ ہوا تو راستے میں اسے
 کئی مچھیرے ملے۔ انہوں نے موسم کی خرابی کی وجہ سے کیشو کو دریا
 پر نہ جانے کا مشورہ دیا لیکن کیشو کی جیب خالی تھی اور اسے پیسوں
 کی اشد ضرورت تھی۔ مچھیروں کی باتوں کی پرواہ کیے بغیر وہ تیز تیز
 قدم اٹھاتا اپنی کشتی تک پہنچ گیا۔ جیسے ہی وہ دریا کے درمیانی حصے
 میں پہنچا، اس نے دیکھا کہ ہر طرف تیز ہوائیں چلنا اور آسمان
 پر سیاہ بادل آنا شروع ہو گئے۔ اس نے بدلتے ہوئے موسم کی پرواہ
 نہیں کی اور مچھلیاں پکڑنے کے لیے جال دریا میں پھیلائے لگا۔ کئی
 بار کوشش کے باوجود مچھلیوں کی زیادہ تعداد ہاتھ نہ لگ سکی۔ وہ یہ
 صورت حال دیکھ کر پریشان ہو گیا اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اسی طرح
 پورا دن گزر گیا۔ یہ اس کی خوش بختی کہیے یا قدرت کی مہربانی کہ
 اس دوران موسم ابر آلود ہونے اور آسمان پر سیاہ بادلوں کی موجودگی
 کے باوجود پانی کی ایک بوند زمین پر نہیں گری۔ تاہم شام ہوتے
 ہی تیز ہواؤں کے جھونکوں کے ساتھ مٹی کی سوندھی خوش بو تیز اور
 موسلا دھار بارش کی پیش گوئی کر رہی تھی۔

کیشو ایک محنت کش اور ایمان دار پھیرا تھا۔ وہ رات دن
 محنت کر کے اپنی پرانی کشتی کے ذریعے دریا میں جال ڈال کر
 مچھلیاں پکڑتا اور انہیں مارکیٹ میں لے جا کر فروخت کر دیا کرتا۔
 فروخت کی گئی مچھلیوں سے حاصل ہونے والی رقم بس اتنی ہوتی تھی
 کہ وہ بمشکل گزارا کر سکے۔ اس کا ٹونا پھونا پرانا سا مکان دریا کے
 کنارے مچھیروں کی بستی میں بنا ہوا تھا جس میں وہ اپنی بیوی
 نسرین کے ساتھ رہتا تھا۔ نسرین دے اور ٹی بی کے مرض میں کافی
 عرصے سے مبتلا تھی۔ اس کے علاج پر بھی کیشو کی خاصی رقم خرچ ہو
 رہی تھی۔ وہ نئی کشتی لینے کا ارادہ کرتا لیکن ہر بار اس کی یہ خواہش
 دل ہی میں رہ جاتی اور وہ اپنے نصیبوں کو کونے لگتا۔

کیشو کے دکھ کی ایک اور وجہ اس کی بے اولادی بھی تھی۔ کیشو
 کی شادی کو کئی سال ہو چکے تھے لیکن وہ دعا کرتا تھا کہ اس کے گھر
 اولاد پیدا ہو جائے۔ اس نے اپنے بھائی سے اس کا ایک بیٹا گود
 لینے کی درخواست کی جسے اس نے رد کر دیا۔ کیشو سے یہ سب کچھ
 برداشت نہیں ہوا اور اپنی قسمت پر رو دیا تھا۔ دن ایوں ہی گزر رہے
 تھے۔ وہ کام پر جانے سے پہلے اپنی بیوی کو دوا کھلاتا اور اچھے دنوں

بندھ گئی اور وہ بری طرح کانپنے لگا۔ اس نے ہمت نہیں ہاری اور جلدی جلدی اپنا کام کرنے لگا۔ اسے اندازہ تھا کہ نیاز نے مچھلیاں فروخت کر کے رقم اس کی بیوی کے حوالے کر دی ہوگی اور چند مچھلیاں بھی پکانے کو دی ہوں گی۔

وہ اس دھن میں گھر کی جانب روانہ ہو رہا تھا کہ اچانک اسے کسی بچے کے رونے کی آواز سنائی دی۔ وہ رُک گیا اور گرد و پیش کا جائزہ لینے لگا لیکن اسے ہر طرف ستانا سنائی دیا لیکن وہ جیسے ہی چلنے لگا، اسے دوبارہ اس بچے کی رونے کی آواز سنائی دی۔ وہ حیران ہوا اور اپنی کشتی کے قریب پہنچ کر اس کو دیکھنے لگا۔ اچھی طرح جائزہ لینے کے باوجود اسے وہاں کچھ نظر نہیں آیا۔ پھر اسے سمجھ میں آ گیا کہ ڈور کھڑی ایک دوسری کشتی میں سے بچے کے رونے کی آواز سنائی دی ہے، وہ اس طرف گیا۔ یہ بادبان کشتی تھی، اس کا مالک شہر میں رہتا تھا۔ وہ کبھی کبھار اس کشتی کو دریا میں لے جاتا تھا اور اپنے مہمانوں کو دریا کی سیر کراتا اور مچھلیاں شکار کرتا تھا۔ کئی روزت اس نے کشتی کو اس مقام پر کھڑا دیکھا تھا اس لیے اس کشتی کے بارے میں اسے کسی قسم کا کوئی گمان نہیں تھا لیکن جب وہ کشتی کے قریب پہنچا تو اس میں رکھی ایک ٹوکری کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کشتی کے بیچوں بیچ پلاسٹک کی ٹوکری میں موٹے کپڑے میں لپٹا ہوا ایک معصوم بچہ بلک بلک کر رہ رہا تھا۔

یہ منظر دیکھ کر کیشو سے ربا نہ گیا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، کشتی میں کود کر ٹوکری کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ اس موقع پر لمحہ بھر کو اس کے ذہن میں بہت سے سوالات ابھرے۔ یہ ٹوکری اس کشتی میں کیسے آگئی؟ ہو سکتا ہے کوئی اسے بھول گیا ہو یا جان بوجھ کر کشتی میں رکھ گیا ہو کہ یہ دریا کے دوسرے کنارے پہنچ جائے گا؟ اس معصوم پر اسے ترس آ رہا تھا۔ کیشو کے گھر کوئی اولاد نہیں تھی، اس لیے وہ اس معصوم کو قدرت کا تحفہ سمجھنے لگا۔

کیشو کے سوالوں کے جوابات دینے والا وہاں کوئی نہ تھا، اس لیے وہ بچے کو خراب موسم سے بچاتا ہوا گھر لے آیا۔ گھر میں موجود بیمار بیوی نے جو اس بچے کو دیکھا تو اس کے چہرے پر رونق آگئی اور آنکھوں میں خوشیوں کے موتی چمکنے لگے۔ بیوی نے کیشو سے اس بچے کے بارے میں پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا اور فوراً گود میں لے کر کھلانے لگی۔ بچہ بھوک سے نڈھال تھا، اس لیے مسلسل روئے جا رہا

وہ سمجھ گیا کہ اب دریا کے درمیان زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہیں۔ اس نے ساحل کا رخ کیا اور تیزی سے کشتی دوڑاتا ساحل پر آپہنچا اور شکار کی ہوئی مچھلیاں سینے کے بعد کشتی کو باندھنے لگا۔ اسی اثناء میں اس کا ایک دوست نیاز وہاں آ گیا اور اس کی مدد کرنے لگا۔ کیشو نے شکار کی ہوئی مچھلیاں نیاز کے حوالے کیں اور اسے مارکیٹ فروخت کر دینے کو کہا اور خود کشتی کی ضروری دیکھ بھال میں لگ گیا۔

ابھی نیاز مچھلیوں سے بھرا تھیلا لے کر مچھلی مارکیٹ کی جانب روانہ ہوا تھا کہ دفعتاً کئی افراد پر مشتمل ایک خاندان اچانک کہیں سے نمودار ہو گیا اور کیشو کی منت سماجت کرنے لگے کہ وہ اپنی کشتی میں انہیں دریا کے اس پار واقع گاؤں تک چھوڑ آئے۔ گوکہ عام طور پر یہ نصف گھنٹے سے زیادہ کا کام نہیں تھا لیکن کیشو کو بدلتے موسم کا ڈر تھا۔ اس صورت حال میں دریا میں کشتی لے کر جانا خطرے سے خالی نہ تھا۔ اس نے انکار کی بار بار کوشش کی لیکن پھر اس خاندان میں خواتین اور بچوں کو دیکھ کر اس کی غیرت بنے گوارا نہ کیا اور اس نے خطرہ مول لینے کا ارادہ کر لیا۔ یہ سات افراد جیسے ہی کشتی میں سوار ہوئے۔ اس نے فوری کشتی کا رخ دوسرے کنارے کی جانب کر دیا۔ دن بھر کی تھکاوٹ سے پہلے ہی اس کے ہاتھ شل ہو گئے تھے لیکن خراب موسم کی وجہ سے وہ اس تکلیف سے بے نیاز چو تیزی سے چلاتا ہوا کشتی کو دریا کے بیچ میں لے آیا۔ دریا میں اونچی نیچی موجیں پیدا ہو رہی تھی اس لیے کشتی نے بچکولے لینا شروع کر دیئے۔ یہ دیکھ کر کشتی میں بچے اور خواتین خوف زدہ ہونے لگے لیکن کیشو نے انہیں اطمینان دلایا اور دوبارہ چپو چلانے لگا۔

اس کی سر توڑ کوشش کے بعد کشتی پانی کے اس جوار بھانے سے نکل آئی اور کچھ ہی دیر میں دریا کے دوسرے کنارے جا گئی۔ کنارے پر اترتے ہوئے مسافروں نے کیشو کا بہت شکر یہ ادا کیا اور اسے مقررہ رقم سے زیادہ دے کر فوری روانہ ہو گئے۔ انہیں بھی اپنے گھر پہنچنے کی جلدی تھی۔ اس نے بھی جلدی دکھائی اور واپسی کی راہ لی۔ دفعتاً بوندیں برسنا شروع ہو گئیں۔ وہ دل ہی دل میں خدا کو یاد کرتا ہوا تیزی سے چپو چلا رہا تھا۔ تیز بارش میں خیر و عافیت کی دعائیں کرتے ہوئے جب اس نے کشتی اپنے کنارے پر لگائی تو وہ بارش سے تر بہ تر ہو گیا تھا۔ ٹھنڈی ہواؤں کے سبب اس کی گلگی

تھا۔ کیشو تیز بارش کے باوجود پڑوس سے جا کر کچھ دودھ مانگ لایا اور اس بچے کو پلانے لگا۔ وہ دودھ پیتے ہی خاموش ہو گیا۔

اب کیشو نے سارا ماجرا اپنی بیوی کے سامنے بیان کیا۔ اس نے بچے کی آمد کو نیک شگون قرار دیا۔ اب اُس نے کیشو کو خراب موسم میں دریا پر نہ جانے کی ہدایت کی۔ اس نے اپنی بیوی کی بات مان لی۔ دونوں میاں بیوی اس بچے کے وارث بن کر اس کی پرورش کرنے لگے۔

چند روز کیشو نے اس بچے کے وارثوں کی تلاش کی لیکن تمام تر کوششوں کے باوجود بچے کے والدین تک نہیں پہنچ سکا۔ اب اس نے اس بچے کی پرورش کا مکمل ذمہ لے لیا۔ اس نے اس کا نام ویسورکھا۔ گاؤں والے اس کے اس جذبے کے بارے میں جان کر بہت خوش ہوئے اور اسے مبارک باد دینے لگے۔ کیشو کی بیوی اب بہت خوش رہنے لگی۔ اسے اپنی بیوی کی صحت یابی کا امکان ہونے لگا تھا۔ وہ اب زیادہ وقت گھر پر ہی گزارتا اور اپنی بیوی اور ویسوکو زیادہ سے زیادہ وقت دینے کی کوشش کرتا۔ اس طرح دن گزرتے گئے، کیشو کے گھر میں خوشیوں کی بہار آگئی۔

ویسو چار سال کا ہوا تو اس نے اُسے اسکول میں داخل کرا دیا۔ دن اسی طرح بسر ہو رہے تھے، اب تک کوئی وارث سامنے نہیں آیا تھا۔ ویسو اب سات سال کا ہو چلا تھا۔ ایک روز وہ اسکول گیا ہوا تھا، کیشو کی بیوی کی اچانک طبیعت خراب ہو گئی۔ گھر میں اس کی دیکھ بھال کے لیے کوئی بھی موجود نہ تھا اس لیے وہ کسی کو مدد کے لیے بھی نہ پکار سکی اور دم گھٹنے سے بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ جتنی دیر میں کیشو گھر پہنچا وہ اللہ کو پیاری ہو چکی تھی۔ قدرت کو شاید اس کا امتحان منظور تھا۔ اس کی اچانک موت ویسو اور کیشو دونوں کے لیے بے حد تکلیف دہ تھی۔ وہ اس حادثے سے بدحواس ہو گئے لیکن کیشو کے عزیزوں نے اس کو حوصلہ دیا اور بہتر دنوں کے آنے کی امید دلانے لگے۔

کچھ روز غم کی شدت میں گزرنے کے بعد کیشو اور ویسو روزمرہ امور میں مصروف ہو گئے۔ اب کیشو، ویسو کا پہلے سے زیادہ خیال رکھتا اور وہ اسے باپ کے ساتھ ساتھ ماں کی محبت بھی دے رہا تھا۔ شدید غربت کے باوجود اس کی ہر خواہش کا احترام کرتا اور تمام ضروریات پوری کیا کرتا۔ وہ ویسوکو ماں کی محبت دے کر اس کی یاد

بھلا دینا چاہتا تھا۔ ویسو بھی باپ کی شفقت اور محبت کا قائل تھا۔ وہ اپنے دوستوں سے اپنے باپ کی تعریفیں کرتا تھا۔

جب ویسو بارہ سال کا ہوا تو کیشو اسے اپنے ساتھ کشتی پر لے جانے لگا۔ وہ ویسوکو چھیرا نہیں بنانا چاہتا تھا۔ وہ اس کی تمام تر توجہ تعلیم پر مرکوز کیے ہوئے تھا، تاہم وہ اس کو خوش کرنے کے لیے اپنے ساتھ رکھتا اور دریا کی سیر کراتا تھا۔ ویسو کشتی میں سوار ہو کر بہت خوش ہوتا اور مچھلیاں شکار کرنے کے لیے دریا میں جال پھیلانے میں اپنے والد کی مدد کرتا تھا۔ دیگر چھیرے بھی دونوں باپ بیٹوں کو ایک ساتھ مابی گیری کرتے دیکھ کر بہت خوش ہوتے اور شاباش دیا کرتے تھے۔

ایک دن اچانک ویسوکو طبیعت خراب ہوئی۔ کیشو قرہبی حکیم سے دوا دلوا لایا اور گھر پر کام کرنے کی ہدایت کر کے خود کشتی میں سوار ہو کر دریا پر مچھلیاں شکار کرنے لگا لیکن وہ جلد ہی اپنا کام ختم کر کے جب گھر واپس آیا تو ویسو بخار میں بُری طرح تپ رہا تھا۔ کیشو نے حکیم سے دوا لے کر اسے پلائی تھی، کچھ ہی دیر میں اس کا بخار کم ہونا شروع ہو گیا۔ ویسوکو آنکھوں میں رونق اور ہاتھوں میں زندگی کی حرارت لوٹ آئی تھی۔ یہ دیکھ کر کیشو کی جان میں جان آئی، وہ ویسو سے باتیں کرنے اور اس کا دل بہلانے لگا۔

ویسو نے اپنے باپ کو اطمینان دلایا اور اس سے اچانک تازہ مچھلی کھلانے کی فرمائش کر دی۔ کیشو بھی اپنے بیٹے کی فرمائش پر کہاں رکتا، وہ فوری گھر سے نکلا اور دریا پہنچ گیا۔ آج بھی موسم ویسا ہی ہو رہا تھا جیسا کہ بارہ سال قبل تھا۔ کالے سیاہ بادلوں کی بچہ سے ہر طرف اندھیرا سا چھا گیا تھا۔ ایک لمبے کے لیے کیشو نے سوچا کہ اپنے ساتھی چھیرے سے مچھلی لے جائے لیکن پھر اسے یاد آیا کہ ویسو نے تو دریا سے تازہ مچھلی شکار کر کے لانے کے لیے کہا تھا۔ وہ خراب موسم کی پرواہ کیے بغیر کشتی میں سوار دریا میں جا پہنچا۔ طوفانی ہواؤں میں دریا کے پتھوں بچ اس کی کشتی ڈول رہی تھی۔ وہ مست ہو کر ہر بات سے بے نیاز دریا میں جال ڈالنے مچھلی کے آجانے کی فکر میں تھا۔

جب اس کے جال میں جنبش ہوئی تو اس کی خوشی کی انتہا نہیں رہی اور وہ بچوں کی طرح خوش سے اچھلنے لگا۔ اسی دوران سیاہ بادلوں نے برسنا شروع کر دیا تھا اور تیز بارش کے سبب وہ مکمل طور پر



بھیگ چکا تھا۔ اس وقت اسے کسی بات کی پرواہ نہیں تھی، اگر فکر تھی تو کیشو کی فرمائش پوری کرنے کی۔ وہ بچکولے لیتی کشتی میں مزے سے مچھلی کا شکار کرنے کے بعد دریا پر پہنچا تو تمام مچھیرے اپنی اپنی کشتیوں کو کنارے لگا کر گھروں کا رُخ کر چکے تھے۔ کیشو نے محسوس کیا کہ وہ اب پہلے جیسا صحت مند نہیں رہا۔ کشتی کے چپو چلاتے چلاتے وہ ادھ موا ہو گیا تھا۔ اس نے مچھلی تھیلی میں ڈالی اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ بارش تیز ہو گئی تھی۔ وہ کیچڑ والے پانی میں تیز تیز چلنے کی کوشش کرتا ہوا جیسے تیسے گھر پہنچا۔ تو حیران و پریشان ہو گیا۔ اس کے سامنے کا منظر اس کی دنیا ویران کر دینے کے لیے کافی تھا۔

گیا۔ دیو اپنے بابا کی یہ حالت دیکھ کر پریشان ہو گیا۔
”بیٹا! تمہارے بابا تمہیں لینے آئے ہیں۔“

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا رُخ دوسری جانب کر لیا۔ وہ اپنی آنکھوں سے بہنے والے آنسو سے کسی طور نہیں دکھانا چاہتا تھا۔
”میرا بابا کوئی اور نہیں تم ہو، صرف تم۔۔۔۔۔“ وہ بستر سے اٹھا اور اس نے بابا کے گلے میں اپنی بانہیں ڈال دیں۔ ”مجھے آپ کے ساتھ نہیں جانا۔“ اس نے اس امیر آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور ایک بار پھر کیشو کو گلے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔
”مجھے خود سے جدا مت کرنا بابا! ورنہ میں مر جاؤں گا۔“

”مریں تمہارے دشمن!“ یہ کہہ کر اس نے بھی شدت جذبات سے اسے بھینچ کر اپنی بانہوں میں جکڑ لیا کہ کہیں کوئی اسے اڑا کر نہ لے جائے۔ چند لمحوں کے بعد اس نے دیو کے باپ کو دیکھنے کے لیے پلٹ کر دیکھا تو منحنڈی ہوا کے تھوکنے نے استقبال کیا اور اس کو تازو دم کر دیا۔ اس کے مکان میں اب کوئی بھی نہیں تھا۔ کیشو کی امید کی کشتی ڈوبتے ڈوبتے بچی تھی۔ بے لوث نیکی، محبت اور شفقت کی جیت ہوئی تھی۔

☆☆☆

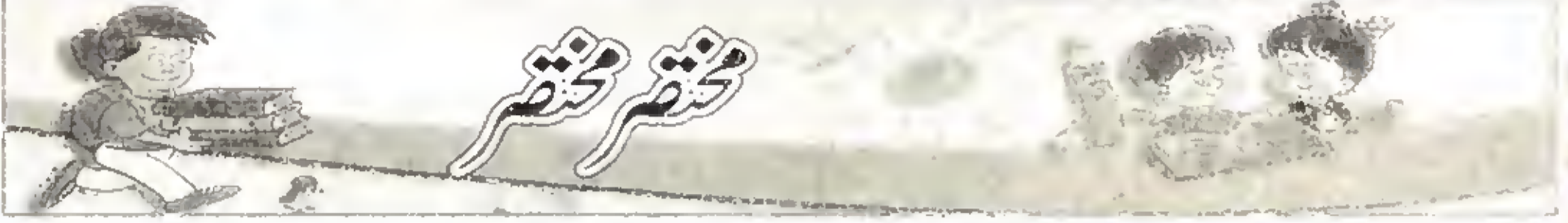
اس کے دروازے پر ایک بڑی سی گاڑی کھڑی تھی۔ ایک مرد اور عورت گاڑی کے باہر ٹہلتے ہوئے اس کے منتظر تھے۔ اس کے دروازے پر آتے ہی مرد فوری اس کی جانب لپکا۔

”میری بیوی دماغی مریضہ تھی۔ وہ اپنے شیر خوار بچے کے ساتھ گم ہو گئی تھی۔“ وہ کہہ رہا تھا۔ ”ہم نے اسے بہت تلاش کیا لیکن وہ ملی، نہ ہی بچہ!“

اس کے دماغ پر ہتھوڑے برسنے لگے تھے۔ اسے پہلے تو ایسا لگا کہ جیسے اس کی کشتی باہر آئے طوفان کی زد میں آکر کرجی کرچی ہو گئی ہے اور وہ تیز بھنور کے پانی سے بچنے کے لیے چلا رہا ہے۔

”کئی سالوں کی تنگ و دو کے بعد ہم مایوس ہو چلے تھے کہ ایک روز۔۔۔۔۔“ وہ کہہ رہا تھا اور اس کی سمجھ میں کہانی آتی جا رہی تھی۔ ”ہمیں علم ہوا کہ ہمارا بچہ وہ ایک کشتی میں ڈال کر کہیں چلی گئی۔ وہ بچہ تمہارے پاس۔۔۔۔۔“

اس شخص نے کہتے ہوئے یہ سمجھا دیا کہ وہ اس کی تمام متاع کو نکلنے آیا ہے۔ اس کے ہاتھ سے تھیلی گر پڑی اور چھوٹی بڑی مچھلیاں فرش پر پھیل گئیں۔ دوسری جانب کیشو بھی لڑکھڑا کر ایک طرف گر گیا اس شخص نے اسے سارا دے کر اٹھایا اور اندر مکان میں لے



عقربا

- ☆ مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔ (متفق علیہ)
- ☆ کمزور لوگوں کی وجہ سے اللہ تمہیں رزق دیتا ہے اور تمہاری مدد کرتا ہے۔ (بخاری)
- ☆ جس نے کسی مجاہد کو تیار کیا، سو اس نے خود جہاد کیا۔ (بخاری)
- ☆ داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور داہنے ہاتھ سے پیو۔ (مسلم)
- ☆ جس نے علم نجوم میں سے کچھ حاصل کیا اس نے جادو کا ایک حصہ حاصل کیا۔ (ابوداؤد)
- ☆ فیصلے میں رشوت لینے اور دینے پر رسولؐ نے لعنت فرمائی ہے۔ (ترمذی)
- ☆ جس نے ایک اونٹ یا بکری خیانت کی تو وہ قیامت کے دن اسے اٹھانے ہوئے گا۔ (مسند احمد)
- ☆ میں ٹیک لگا کر نہیں کھایا کرتا۔ (بخاری)

کوئی ٹوکے تو گرماتے نہیں
 مولانا شبلی نعمانی ایک مرتبہ اکبر الہ آبادی سے ملنے کے لیے ان کے گھر گئے۔ جمعہ کا دن تھا۔ نماز کا وقت آیا تو اکبر الہ آبادی اور مولانا شبلی مسجد کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ لوگ دروازے سے نکال رہے تھے اور اکبر کے صاحبزادے عشرت مکان میں داخل ہو رہے تھے۔ عشرت نے یہ دیکھ کر کہ یہ لوگ نماز کے لیے جا رہے ہیں، نگاہ بچانے کی کوشش کی۔ اکبر الہ آبادی وہیں رک گئے، عشرت کو آواز دینی اور عشرت کی طرف اشارہ کیا اور شبلی کو مخاطب کرتے ہوئے یہ شعر سنایا:

بے نمازوں میں ہے یہ اور اس پے شرماتے نہیں
 حیرت یہ ہے، کوئی ٹوکے تو گرماتے نہیں

(سیونہ نویہ، راول پنڈی)

جھوٹ نفاق کی علامت ہے

منافق کی تین علامات ہیں:

نقاش پاکستان چوہدری رحمت علی
 ہوشیار پور ضلع میں مہی جو اک کلی
 نام اس کا رہا کینا چوہدری رحمت علی
 مہتر سید لطیف حسین نے پڑھائی عربی اور فارسی
 ہر امتحان میں جسے حاصل ہوئی کام یابی
 ہندوؤں کو رلایا جس نے انگریزوں کو مات دی
 اللہ کا جو ہم پر تھا احسان رحمت علی، رحمت علی
 مسلمانوں میں جس نے روح پنجو کی انقلابی
 جس نے ضلع میں دنیا کی شہرت اسے ملی
 پنجاب سندھ سرحد بلوچستان اور کشمیر کی لڑی
 تو نقاش پاکستان کا نام اور عزت اسے ملی
 نظر کے سامنے بھی جس کی گردن تکی رہی
 وہ تھا مرد مجاہد رحمت علی رحمت علی
 جب مسلمانوں کو آزادی کی دہات ملی
 تو گویا اک قسم کی راحت اسے ملی
 قیام پاکستان کے بعد اس نے رحمت فرمائی
 کلشن اداں ہو گیا۔ آٹھ انگ ہار ہوئی
 نبرد نے آج تک کسی سے وہ خوبی نہیں دیکھی
 جس کی مروج تھی وہ قزاق رحمت علی رحمت علی

(شاہد محمد عبد الامور)

حکایت شیخ سعدی

امام غزالی سے لوگوں نے پوچھا: ”آپ کو اتنا زیادہ غم کیسے
 حاصل ہوا؟ آپ نے فرمایا: ”جو میں نہیں جانتا تھا، اس کے بارے
 میں دوسروں سے پوچھتا تھا، جس سے میرے غم میں اضافہ ہو گیا۔“
 (عمد خزینہ حائق، سرگودھا)

گلدستہ حدیث

جو دو مسلمان ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار اٹھاتے ہیں تو
 قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں۔ (ابن ماجہ)
 اذان اور اقامت کے مہمان دعا نہیں کی جاتی۔ (نسائی)

☆ عدل ملے انصاف ملے
☆ دودھ اور پانی صاف ملے
☆ صحت اور صفائی بھی ہو
☆ اس کے ساتھ پڑھائی بھی ہو
☆ پاکیزہ اطوار ہوں اس کے
☆ ساتھی با کردار ہوں اس کے
☆ اچھا شہری وہ کہلانے
☆ دنیا بھر میں نام کمانے

(کرامت بخاری، لاہور)

محبت کا پیکر

☆ دنیا میں ماں سے زیادہ حسین کوئی شے نہیں۔ ماں کے بغیر
☆ زندگی ادھوری ہے۔ ماں نپتے صحرا میں چھاؤں اور موجوں کے
☆ سمندر میں کنارہ ہے۔ ماں جنت جانے کا راستہ، اندھیری رات
☆ میں اجالا اور بارش اور دھوپ سے بچاؤ کے لیے سایہ ہے۔ ماں
☆ محبت کا پیکر ہے۔ اس عظیم نسبت سے اس کی عظمت کے مطابق محبت
☆ کرو۔ جس نے تمہیں زمانے کی سوچ جیسی گرم شعاعوں سے
☆ بچانے رکھا اور خود کو جلایا۔ ماں ایک عظیم سرمایہ ہے میری ماں میری
☆ دنیا ہے۔ (جادید اقبال طور، گجرات)

اقوال بزرگیں

☆ انسان کو خیالات کا بلند ہونا چاہیے، باتوں کا نہیں کیوں کہ
☆ ایک چھوٹا پرندہ اونچی عمارت پر بیٹھ کر عقاب نہیں بن جاتا۔
☆ زندگی گزارنے کا بہترین طریقہ اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا ہے۔
☆ خوشبو اور مسکر ابٹ دو اہم خزانے ہیں، پہلے کو اپنے تک
☆ محدود رکھو اور دوسرے کو دوسروں پر نچھاور کر دو۔
☆ اگر تم والدین کی باتوں پر توجہ دو تو پتھر کی سلیں بھی تمہارے
☆ ہاتھوں موم بن جائیں گی۔
☆ با ادب با مراد، بے ادب بے مراد۔
☆ اپنی خواہشات پر قابو پانا، زندگی کی آدھی مشکلات کو ختم کر
☆ دیتا ہے۔ (فاطمہ صفدر، خانیوال)

☆ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔
☆ جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے۔
☆ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

☆ اگرچہ وہ نماز پڑھتا ہو، روزے رکھتا ہو اور اپنے آپ کو
☆ مسلمان سمجھتا ہو کیوں کہ جھوٹ تمام گناہوں کی جڑ ہے۔
(سومنہ عامر تجازی، لاہور)

چاند

☆ کتنی پیاری رات ہے بچو چاند ہمارے ساتھ ہے بچو
☆ روشن روشن کرنیں ساری کتنی کتنی اچھی کتنی پیاری
☆ چندا ماموں بچے گائیں کھلیں کوویں شور مچائیں
☆ ای منا گود سلائے چاند کی لوری اسے سلائے
☆ سن کر لوری سو جاتے ہیں خوابوں میں یہ کھو جاتے ہیں
☆ دیکھ کر چاند کو بچے سارے گیت ہیں گاتے پیارے پیارے
☆ تاروں کے جھرمٹ میں آئے جیسے دلہن روپ سجائے
☆ کافی گنا میں چھپ جاتا ہے بادل بھاگیں نچر آتا ہے
☆ چاندنی اس کی من کو بنانے
☆ دیکھ کے اس کو من لپکانے

(شہناز کوثری، لاہور)

صرف نام لکھا ہے

☆ ایک دفعہ برناڈ شا ایک بڑے مجمع کے سامنے تقریر کر رہے
☆ تھے۔ اتنے میں ایک لٹافہ آکر گرا۔ برناڈ شانے اسے کھول کر
☆ دیکھا۔ کانڈ کے ایک ٹکڑے پر درج تھا: "نالائق!"
☆ برناڈ شانے کانڈ کا ٹکڑا جیب میں رکھتے ہوئے کہا: "کبھی کبھی
☆ لوگ خط لکھتے ہیں لیکن اپنا نام لکھنا بھول جاتے ہیں مگر اس وقت
☆ جن صاحب کا رقم میرے پاس آیا ہے، انہوں نے اپنا نام تو لکھا
☆ ہے لیکن مضمون لکھنا بھول گئے ہیں۔"

(فائزہ رزاق، خانیوال)

اچھا شہری

☆ ہر اک بچے کا یہ حق ہے
☆ اچھی بو اس کی خوراک
☆ مفت ملے اس کو تعلیم
☆ اور بے اچھی پوشاک



گولو اور مولو

اور وہ جلدی جلدی گا جریں کھانے لگا لمحہ بھر کو اسے مولو کا خیال آیا اور اُس نے اُس کے لیے بھی گا جریں جمع کیں اور پھر گھر ہولیا، جہاں مولو اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ جب گولو نے مولو کو گا جریں دیں تو مولو کی آنکھیں چمک اٹھیں کیوں کہ مولو نے بھی کبھی اتنی موٹی اور تازہ لال گا جریں نہیں دیکھی تھیں۔ اُس نے جھٹ سے کھانا شروع کر دی اور کہنے لگا:

”ارے واہ گولو! آج تو روز والے اپنے کھیت میں بڑی اچھی گا جریں ہیں، کھا کر تو مزا آ گیا۔“ گولو جو مولو کو بتانے ہی والا تھا کہ یہ گا جریں روز والے اقبال صاحب کے کھیت کی نہیں ہیں بلکہ یہ ایک نئے کھیت سے ہیں لیکن اسی وقت اُس نے سوچا کہ کیوں نہ یہ بات گولو سے راز رکھی جائے کیوں کہ وہ کھیت میں نے ڈھونڈا ہے اور ویسے بھی اگر ہم دونوں اب نئے کھیت کی گا جریں کھائیں گے تو وہ جلدی ختم ہو جائیں گی۔ کیوں نہ میں یہ سب گا جریں خود اکیلا کھاؤں اور مولو کو بتاؤں ہی نہ؟ اس طرح میں وہ ساری گا جریں زیادہ دن تک کھا سکوں گا۔ اس لیے اُس نے مولو کو کچھ نہ بتایا۔

ایک دن جب مولو نے گولو کو ساتھ چلنے کا کہا تو گولو نے بہانا

گولو اور مولو وہ بھورے اور سفید خرگوش تھے۔ دونوں شروع سے ہی ساتھ رہتے تھے اور ایک دوسرے کے گہرے دوست تھے۔ کھاتے بھی ساتھ تھے اور کھانے کی تلاش کے لیے بھی ساتھ ہی نکلتے تھے اور شام ہوتے ہی دونوں واپس جھاڑیوں میں آکر چھپ جاتے تھے۔ گولو چاہتا تھا وہ زیادہ سے زیادہ گا جریں کھائے کیونکہ وہ فطرتاً لالچی طبیعت کا مالک تھا جبکہ مولو نیک طبیعت کا مالک تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے دوست کو برابر رکھتا تھا۔ ایک دفعہ مولو کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اس لیے اُس نے گولو سے کہا:

”دوست آج تم جا کر گا جریں لے آؤ۔ گولو یہ سن کر بہت خوش ہوا کہ چلو اچھا ہے آج میں دل بھر کر گا جریں کھاؤں گا۔“

اب گولو صبح سویرے اپنے سفر پر چل پڑا۔ مولو ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے گولو رستہ بھول گیا اور کسی دوسرے کھیت پر پہنچ گیا۔ پہلے تو گولو بہت گھبرایا لیکن پھر ہمت کر کے جھاڑیوں کے بیچ سے ہوتا چلتا گیا۔ دور سے ہی اُس کو گا جریں کی خوشبو آ رہی تھی۔ گولو جب وہاں پہنچا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں تو بہت موٹی موٹی اور لال لال گا جریں تھیں۔ جس کو دیکھ کر گولو کے منہ میں پانی بھر آیا

خاموشی سے وہاں سے چل دیا۔

اُدھر گولو جس کو پتا ہی نہ چلا کہ آج اُس کے دوست کو اُس کے دھوکے کا پتا چل گیا ہے۔ وہ گاجریں کھانے میں مگن تھا، اتنے میں پیچھے سے کسی نے اُس کے اوپر ایک پنجرہ رکھ دیا جس میں وہ پھنس گیا۔

گولو نے بہت شور مچایا اور نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔ مدد دے پکارنے لگا لیکن ساری کوشش رائیگاں گئی۔ یہ دیکھ کے گولو کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ روتے روتے جب اُس نے دیکھا تو وہ ایک ایسی جگہ پہنچ چکا تھا جہاں اُس کے علاوہ بہت سے جانور تھے لیکن وہ سب بھی اپنے اپنے پنجروں میں قید تھے۔

اب گولو کو احساس ہو رہا تھا کہ اُس نے مولو کو دھوکا دے کر اچھا نہیں کیا اگر آج مولو اُس کے ساتھ ہوتا تو وہ اُس کی مدد ضرور کرتا لیکن اُس نے اپنے دوست سے جھوٹ بولا، اُس کو دھوکا دیا جس کی سزا اُسے آج اس پنجرے میں قید ہو کے مل گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے وہ پچھتانے لگا مگر اب اسے اپنے دوست سے بے وفائی کرنے اور جھوٹ بولنے کی سزا مل چکی تھی۔

☆☆☆

نیک نامی کا قلعہ

سلطان قزل ارسلان سلجوقی کے پاس ایک عظیم قلعہ تھا جو پہاڑوں کے بیچوں بیچ ایسے مقام پر واقع تھا کہ خواہ کیسا دشمن حملہ کرے اس کو سر نہیں کر سکتا تھا۔ اس قلعے کے اندر پانی کے چشمے جاری تھے۔ اس میں مقیم لشکر ساہا سال تک اپنی ضرورتیں پوری کر سکتا تھا اور باہر سے کسی امداد کا محتاج نہ تھا۔ سلطان کو اس قلعے پر بڑا ناز تھا۔ ایک دن سلطان کے دربار میں لوگ قلعے کی تعمیریں کر رہے تھے کہ ایک صاحب دل وہاں آ گیا۔ اس نے لوگوں کی باتیں سنیں تو ہنس کر کہا۔ ”بابشاہ سلطان! یہ قلعہ مبارک تو ہے لیکن میں نہیں سمجھتا کہ یہ اتنا مضبوط بھی ہے کہ آپ کی حفاظت کر سکے۔ اس قلعے میں آپ جیسے کئی آئے اور چند دن ٹھہر کر رخصت ہو گئے۔ اس قلعے پر بھروسا کرنے کی بجائے خدا کے فضل و کرم پر بھروسا کیجیے۔ اینٹ اور پتھر کا یہ قلعہ ایک دن فنا ہو جائے گا۔ ہاں! اگر کچھ باقی رہ جائے گا تو وہ آپ کا نیک نام ہو گا۔ لوگوں کے ساتھ بھلائی کیجیے اور یاد رکھیے نیک نامی ایک ایسا مضبوط قلعہ ہے جو ہمیشہ آپ کے کام آئے گا۔“ (احمد کمران، لاہور)

بنایا کہ آج اسے اپنے خالو سے ملنے جانا ہے، اس لیے وہ گاجریں لینے مولو کے ساتھ نہیں جائے گا بلکہ مولو اکیلا جا کر گاجریں لے آئے۔ مولو اُس کی بات مان کر اقبال صاحب کے کھیت کی طرف چل دیا جبکہ پیچھے گولو نے کھیت کی طرف چل پڑا۔ وہاں اس نے پیٹ بھر کر گاجریں کھائیں اور مولو کے آنے سے پہلے واپس آ گیا۔ جب مولو نے گولو کے آنگے گاجریں رکھیں تو وہ بالکل پھینکی اور بد مزہ تھیں۔ اُن گاجروں کے مقابلے میں جو وہ کھا کے آیا تھا۔

گولو! ”تمہاری ہالی گاجریں بہت اچھی تھیں، آج مجھے بالکل بھی اچھی گاجریں نہیں ملیں۔“ مولو نے افسردگی سے گولو کو کہا۔
”کوئی بات نہیں مولو! تم نے بہت محنت کی ہے اس لیے یہ سب تم کھاؤ۔“

”نہیں گولو! ہم دونوں مل کر کھاتے ہیں۔“

کافی دنوں تک گولو مختلف بہانوں سے مولو سے چھپ کر نئے کھیت میں جانے لگا اور وہاں پیٹ بھر کر گاجریں کھا کر واپس آ جاتا۔ اُدھر کھیت کا مالک دن بہ دن گاجروں کی کاشت میں کمی محسوس کرنے لگا تو اُس نے اس چور کو ڈھونڈنے کا فیصلہ کیا پھر ایک دن جب گولو جھاڑیوں میں چھپ کر گاجریں کھا رہا تھا تب اُس کھیت کے مالک نے گولو کو دیکھ لیا اور اُس نے تہیہ کر لیا کہ وہ اس چور کو پکڑ کر ہی دم لے گا۔

اُدھر مولو کو گولو کے روزمرہ کے بہانوں سے کچھ گڑ بڑ کا احساس ہو گیا تھا کہ آخر گولو کیوں اُس کے ساتھ گاجریں لینے نہیں جاتا؟ اس لیے اُس نے سوچ لیا تھا کہ آج وہ گولو کا پیچھا کر کے اصل بات معلوم کرے گا۔ اتنے سالوں میں پہلی دفعہ گولو نے ایسی حرکت کی تھی ورنہ تو گولو ہمیشہ مولو کے ساتھ جاتا تھا کیوں کہ وہ اکثر رستہ بھول جاتا تھا، وہ اس معاملے میں وہ بھلکرتا تھا۔

اس لیے آج وہ صبح ایک کونے میں جا کے چھپ گیا اور انتظار کرنے لگا کہ کب گولو نکلے اور وہ اس کا پیچھا کر سکے۔

مولو، گولو کا پیچھا کرنے لگا اور وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ گولو ایسی جگہ پر تھا جہاں گاجروں کے بہت سے کھیت تھے۔ وہاں کی گاجریں دور سے ہی مولو کو ذائقہ دار لگی تھیں۔ مولو کو سمجھ آ گیا کہ گولو روز یہاں آ کے اُس سے چھپ کر گاجریں کھاتا ہے اور اُس سے جھوٹ بولتا رہا۔ اپنے دوست کے دھوکے سے یہ مولو افسردہ ہو کے

میری بیاضی

ہم نے گناہ پہ گناہ کیے ، اس نے پکڑ نہ کی
کتنے بلند ہیں حوصلے پروردگار کے
(حفصہ رزاق، خانیوال)

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
☆

دیار مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو ، وہ اب زبرک عمیار ہو گا
(مارہ شاہد، رائے بند)

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفرین ، کار کشا ، کار ساز
☆

یقین افراد کا سرمایہ تعمیر ملت ہے
یہی قوت ہے جو صورت گر تقدیر ملت ہے
☆

گواہی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
(ایاز احمد، لاہور)

ضمیر لالہ میں رہن چراغ آرزو کر دے
چمن کے ذرے ذرے کو شہید جستجو کر دے
☆

یہ دستور زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں
یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری
(صبح الحسن، سیال کوٹ)

یا رب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے
(عائشہ طالب، گوجرانوالہ)

منزل کی جستجو میں کیوں بھٹک رہا ہے راہی
اتنا عظیم ہو جا کہ منزل تجھے خود پکارے
☆

جنہیں جستجو سکوں رہی انہیں ساحلوں نے ڈبو دیا
انہیں کوئی بھی موج نہ چھو سکی جو تڑپ کے پار اتر گئے
(بشری حسینی، کلور کوٹ)

جوانوں کو میری آو سحر دے
پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا ! آرزو میری یہی ہے
میرا نور بصیرت عام کر دے
(شیران سرداز، ساہیوال)

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے
(حمزہ لغاری، میاں والی)

نگاہیں نگاہوں میں پیوست کئے دوں
میں روشن چیزوں کو بھی مست کر دوں
طنائیں جو کھینچوں زمیں و آسماں کی
میں یہی فاصلے اک ہاشت کر دوں
(شازیہ ہاشم، قصور)

اک شجر ایسا محبت کا لگایا جائے
جس کا ہمسائے کے آنگن میں بھی سایہ جائے
(مجم السحر، منڈی بہاؤ الدین)

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
(مہمند عامر جازی، لاہور)

تم تکلف کو بھی اخلاص سمجھتے ہو فراز
دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا
(مفتی اعظم پاکستان، لاہور)



حافظہ حفیظہ، سیالکوٹ
میں بڑا ہو کر عالم بنوں گا اور
دین کی خدمت کروں گا۔



مریم شفیع، لاہور
میں ڈاکٹر بن کر مریضوں کا
مفت علاج کروں گی۔



محمد ارباب، ملتان
میں بڑا ہو کر فوجی بنوں گا اور
ملک و قوم کی خدمت کروں گا۔



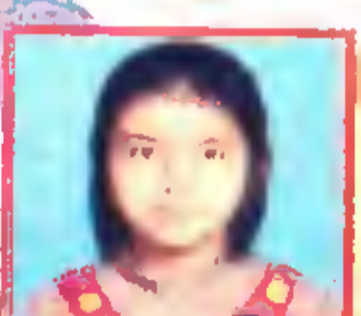
افغان بن یوسف، اسلام آباد
میں بڑا ہو کر پاکستان بڑوں گا
اور ملک کے سرحدوں کی
حفاظت کروں گا۔



سعید احمد، راولپنڈی
آرمی آفیسر بنوں گا اور اپنے ملک
کی حفاظت کروں گا۔



سعید احسن، سیالکوٹ
میں کرکٹرز بن کر پاکستان کا نام
روشن کرنا چاہتا ہوں۔



بشمل ناطقہ، جہلم
میں بڑی ہو کر نیچر بنوں گی
اور بچوں کو پڑھاؤں گی۔



نظیر زہرا، اسلام آباد
میں نیچر بن کر اپنے ملک کے
بچوں کو پڑھاؤں گی اور ان کا
مشقیں روشن کروں گی۔



ایاز احمد، لاہور
میں ڈاکٹر بن کر اپنے ملک کا نام
روشن کروں گا۔



اردوہ رضوان، راولپنڈی
میں بڑی ہو کر استانی بنوں گی اور
غریب بچوں کو محنت کے ساتھ
مفت پڑھاؤں گی۔



زہرا احسن، راولپنڈی
میں بڑی ہو کر ایئر فورس میں جا کر
اپنے وطن کے لیے شہید ہونا چاہتی
ہوں۔



محمد حارث، خان پور
میں بڑا ہو کر ڈاکٹر بنوں گا اور
غریبوں کا مفت علاج کروں گا۔



محمد نادیق ناصر، رحیم یار خان
میں بڑا ہو کر فوجی ڈاکٹر بنوں
گا اور ملک کا نام روشن کروں
گا۔



ابراہیم اکبر، صادق آباد
میں بڑا ہو کر پاکستان بنوں گا اور
ملک کی خدمت کروں گا۔



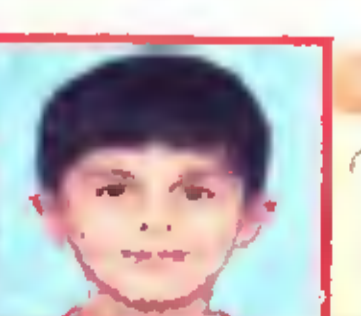
عبدالرحمن، لاہور
حفظ قرآن بن کر قرآن کو پیغام
دوسروں تک پہنچاؤں گا۔ قرآن
کی روشنی سے ظلمات دور کروں
گا۔



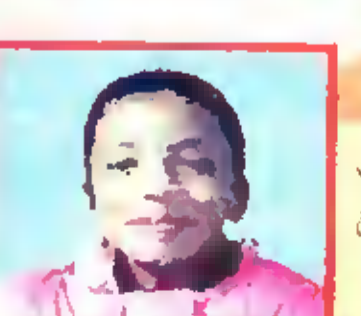
مریم حروج، میانوالی
میں بڑی ہو کر پاکستان بنوں گی
اور اپنے ملک کا نام روشن
کروں گی۔



بشیرہ رازق، لاہور
میں ڈاکٹر بن کر اپنے ملک کا نام
روشن کروں گی۔

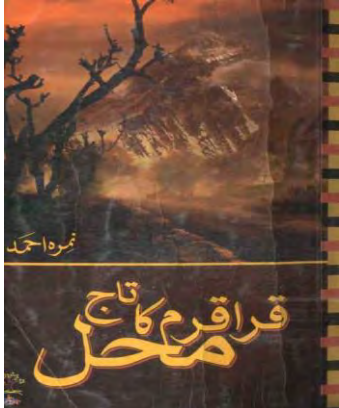
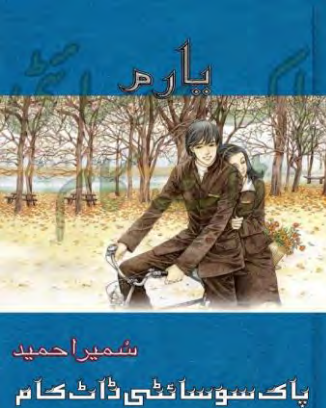
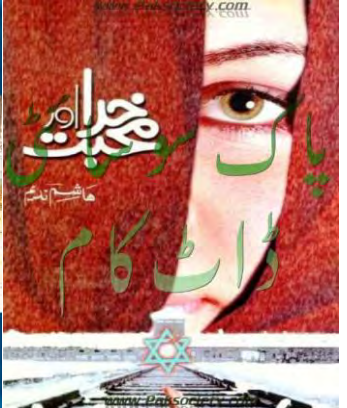
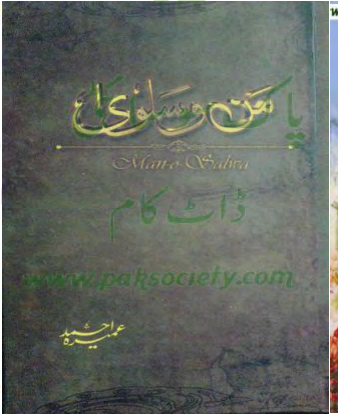
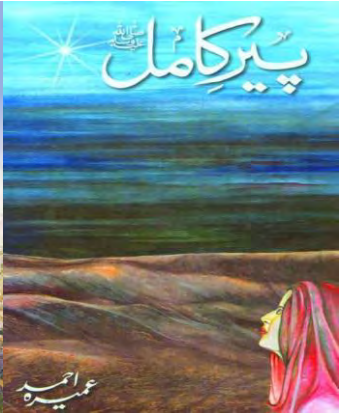
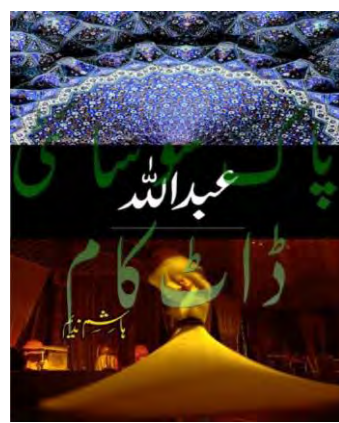
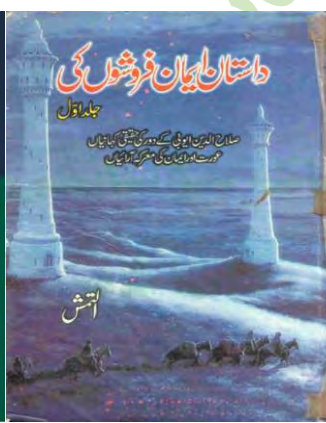
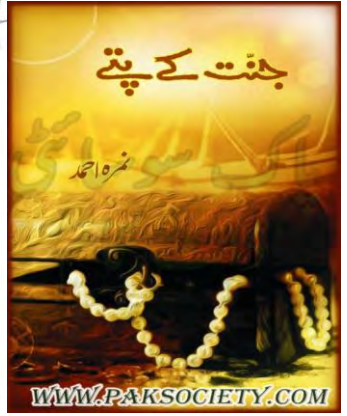


ناصل رازق، لاہور
میں نے انجینئر بن کر ملک و قوم
کی خدمت کرنی ہے۔



بشمل ناطقہ، گوجرانوالہ
میں بڑی ہو کر ڈاکٹر بنوں گی
اور غریبوں کو مفت علاج
کروں گی۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



کی وجہ "Intrinsic" اور "Extrinsic" آٹھ عضلات ہیں جو زبان کی پوزیشن میں تبدیلی لاتے ہیں۔ انسانی زبان کی اوسط لمبائی 10 سینٹی میٹر ہوتی ہے۔ "Intrinsic" عضلات (Muscles) بولنے میں مددگار ہیں۔ مردانہ زبان کا اوسط وزن 70 گرام اور زنانہ زبان کا اوسط وزن 60 گرام ہوتا ہے۔

سری لنکا

سری لنکا (Sri Lanka) کا مکمل نام ڈیموکریٹک سوشلسٹ ڈیموکریٹک سوشلسٹ ریپبلک آف سری لنکا (Democratic Socialist Republic of Sri Lanka) ہے۔ جب کہ پرانا نام سیلون (Ceylon) ہے۔



یہ جنوبی ایشیاء کا جزیرہ نما ملک ہے جس کا دارالحکومت کولمبو (Colombo) ہے۔ ملک کا رقبہ 65 ہزار 610 مربع کلومیٹر ہے۔ یہ ملک 4 فروری 1948ء کو دنیا کے نقشے پر ابھرا۔ اس ملک کی سرکاری زبان تامل اور سنہالی ہیں۔ یہاں صدارتی نظام رائج ہے۔ یہاں کی سرکاری کرنسی سری لنکن روپیہ ہے۔ یہاں پر بھی بارشوں کا زیادہ انحصار مون سون ہواؤں پر ہے۔ گوکہ یہ چھوٹا سا ملک ہے لیکن جنگلی حیات اور جنگلات کے حوالے سے سری لنکا پر قدرت مہربان ہے۔ یہاں پائے جانے والے جانور اور پودے ایسے بھی ہیں جو دنیا میں نہیں۔ سری لنکا کے 9 صوبے ہیں جن میں ناتھ سنٹرل رقبے کے لحاظ سے سب سے بڑا صوبہ ہے۔ یہ آبادی کے اعتبار سے دنیا کا 57 واں بڑا ملک ہے۔ یہاں 70 فی صد آبادی بدھ مت مذہب سے تعلق رکھتی ہے۔ ہندو قوم کے بعد



انسانی زبان

انسانی زبان (Human Tongue) کو عربی میں "لسان" اور فارسی میں "زبان" یا "کالبذ" کہا جاتا ہے۔ یہ عضلاتی عضو ہے جو منہ میں نچلی طرف موجود ہے۔ یہ عضو چکھنے، چبانے،



نگلنے، ہانسنے، ذائقے، ٹھنڈا گرم، سختی نرمی محسوس کرنے کے کام آتی ہے۔ زبان کی اوپر والی سطح کو "Dorsum" کہتے ہیں۔ جس پر ذائقہ معلوم کرنے والے ٹیٹ بڈ (Taste Bud) ہوتے ہیں۔ زبان پہ نمی رہتی ہے کیوں کہ لعاب دہن (Saliva) اسے گھیلا رکھتا ہے۔ زبان میں خون کی بے شمار نالیاں ہوتی ہیں اور عصب (Nerves) بھی موجود ہیں۔ زبان دانتوں کو بھی صاف رکھتی ہے۔ زبان کا اگلا حصہ "Oral" اور پچھلا "Pharyngeal" حصہ کہلاتا ہے۔ زبان کے درمیان ہلکی سی گہرائی کو "Groove" کہتے ہیں۔ زبان میں بل، جل اور حرکت

انرجی کمیشن، امریکہ کے چیئرمین رہے۔ "Helen Griggs" نامی خاتون سے 1942ء میں شادی کی۔ آپ 25 فروری 1999ء کو وفات پا گئے۔

چکن گونیا

چکن گونیا (CHIKUNGUNYA) وائرس کی وجہ سے پیدا ہونے والے بخار کا نام ہے۔ یہ وبا کی صورت میں پھیلتا ہے اور بچے بڑے کا لحاظ نہیں کرتا۔ ابتدائی طور پر یہ وائرس افریقی ممالک سے



رپورٹ ہوا جو مچھر کے کاٹنے سے انسانوں کو منتقل ہوتا ہے۔ چکن گونیا دونوں وائرس اور بخار کے لیے پکارا جاتا ہے۔ یہ افریقی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے "ہچکا ہوا" یا "ٹونا ٹونا"۔ اس بخار میں جسم کا انگ انگ ٹوٹا محسوس ہوتا ہے۔ یہ بخار سب سے پہلے تنزانیہ کے علاقے "Newala" کے لوگوں میں پھیلا۔ یہ وائرس ذہنگی جیسی شکل کے مچھر "Aedes" سے ملتا جلتا ہے۔ یہ مچھر دن کو کاٹتا ہے۔ افریقہ کے علاوہ بھارت، اٹلی، فرانس، امریکہ، کروشیا، ویسٹ انڈیز، کینیڈا اور پاکستان میں بھی یہ بخار پھیل چکا ہے۔ مچھر کے کاٹنے سے 3 سے 7 دن میں بخار اور جوڑوں (Joints) میں درد شروع ہو جاتا ہے۔ جسے چکن گونیا ہو جائے، زندگی میں دوبارہ نہیں ہوتا۔ اس مچھر کا نام "Aedes Albopictus" ہے جو وائرس کو انسانی خون میں منتقل کر دیتا ہے۔

☆☆☆

مسلمان تیسری بڑی تعداد میں ہیں۔ سری لنکا کے پرچم پر شیر بنا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں تلوار ہے۔

گلین ٹی سی بورگ

گلین ٹی سی بورگ (Glenn T. Seaborg) ایک مشہور زمانہ امریکی کیمیا دان تھے۔ آپ نے 1951ء میں کیمیا کا نوبل ایوارڈ حاصل کیا کیوں کہ آپ نے پلوٹونیم سمیت 10 تابکار (Radioactive) مادوں و عناصر کو دریافت کیا۔ آپ 19 اپریل 1912ء کو مشی گن میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام "Herman" اور والدہ کا نام "Selma Olivia" تھا۔ آپ کی ایک بہن "Jeanette" بھی تھی جو وہ برس چھوٹی تھی۔ گلین



بورگ کو سائنس سے بوریٹ پیدا ہونے لگیں لیکن اپنے ساتھی مچھر جن کا نام "D.L. Reid" تھا، ان کی شخصیت سے متاثر ہو کر سائنس خاص کر کیمسٹری (Chemistry) کی طرف راغب ہوئے۔ آپ نے 1933ء میں لاس اینجلس، یونیورسٹی آف کیلی فورنیا سے کیمیا میں ڈگری حاصل کی جب کہ 1937ء میں پی ایچ ڈی بھی کر لی۔ آپ کو تابکاری (Radioactivity) کے معاملے سے خاص دل چسپی تھی، چنانچہ اس میدان میں تحقیق کے دوران کئی تابکار عناصر دریافت کر ڈالے۔ آپ نے 1958ء سے 1961ء تک یونیورسٹی آف کیلی فورنیا، برکلے (Berkeley) کے چانسلر کی حیثیت سے کام کیا۔ اسی طرح 1961ء سے 1971ء تک اٹامک



پ	د	ض	غ	ح	ق	و	ر	ا	ف
ء	ش	خ	ک	ص	ب	ن	ع	ر	ط
خ	ر	ن	د	ی	م	ض	ا	ی	خ
ث	ا	س	ض	ن	ث	س	ٹ	ش	ل
ظ	ز	ا	ج	ع	ا	ر	ص	ب	ع
م	ہ	ر	گ	ب	ء	ف	ظ	و	م
ا	غ	و	ب	ی	ع	ش	چ	ن	ر
ک	ت	ظ	ق	ڈ	ط	م	گ	ہ	ا
م	ذ	ن	ش	ے	خ	ا	و	ر	ن
ل	چ	م	ژ	ف	پ	و	گ	ٹ	ص

آپ نے حروف ملا کر دس نام تلاش کرنے ہیں۔ آپ ان ناموں کو دائیں سے بائیں، بائیں سے دائیں، اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر تلاش کر سکتے ہیں۔ آپ کے پاس وقت دس منٹ کا ہے۔ جن ناموں کو آپ نے تلاش کرنا ہے وہ یہ ہیں:

ندیم، اکمل، بشیر، خاور، شعیب، ارشد، اعجاز، فاروق، عمران، منظور



گھاس نہ ڈالنا

بے توجہی اور سرد رویئے کو دیکھ کر لوگ یہ فقرہ محاورے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

طارق اسکول سے آتے ہی اپنے پالتو بکرے کو دیکھنے گیا جو صحن کے کونے میں کھوٹی سے بندھا تھا۔ طارق کو اس سے بے حد محبت اور انسیت تھی۔

”امی! بکرے کو کسی نے گھاس نہیں ڈالی نا؟“

طارق نے محسوس کیا کہ بکرا بھوکا ہے کیوں کہ وہ اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور مننانے لگا تھا۔ طارق کی بات سن کر اس کے ابا جو کمرے میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے، ہنس کر بولے:

”ارے بھئی تم بکرے کی بات کر رہے ہو، اس گھر میں کوئی کسی کو گھاس نہیں ڈالتا۔ ایک ہمیں ہی دیکھ لو، ڈپڑھ گھنٹے سے آئے بیٹھے ہیں۔ تمہاری امی اپنی سلائی میں لگن ہیں، ہمیں بھی گھاس نہیں ڈالی۔“

ابو کی اس بات پر طارق بے اختیار ہنسنے لگا۔ اس کی امی کچھ شرمندہ سی ہو کر بولیں:

”حد کرتے ہیں آپ بھی، کیسی باتیں کرتے ہیں!“

”بھئی کسی کی طرف کچھ توجہ کرنا، گھر آنے پر خیر خیریت پوچھنا، کوئی ضرورت پوچھنا بھی ایسا ہی ہے جیسے طارق کے بکرے کو گھاس ڈالنا مگر آپ نے اس بے چارے پر توجہ ہی نہیں کی اور اسی طرح ہماری طرف بھی کچھ دھیان نہیں دیا، تو پھر اس کو یہی کہیں گے نا کہ آپ کسی کو گھاس تک نہیں ڈالتیں؟“

بات ہنسی ہنسی میں ٹل گئی مگر بچو! آپ یاد رکھیں کہ کسی کی

(بقیہ: آپ بھی لکھیے)

محنت کرتا تھا۔ یہ بتا کر چھوٹو رونے لگا۔ دانیال پریشان ہو گیا اور اس سے پوچھا کہ تمہارے امی ابو کہاں ہوتے ہیں اور رہتے کہاں ہوتے؟ چھوٹو نے بتایا کہ میرا گھر فٹ پاتھ ہے اور امی ابو جیسی نعمت میرے پاس نہیں ہے لیکن میں پھر بھی بروقت اللہ پاک کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے۔

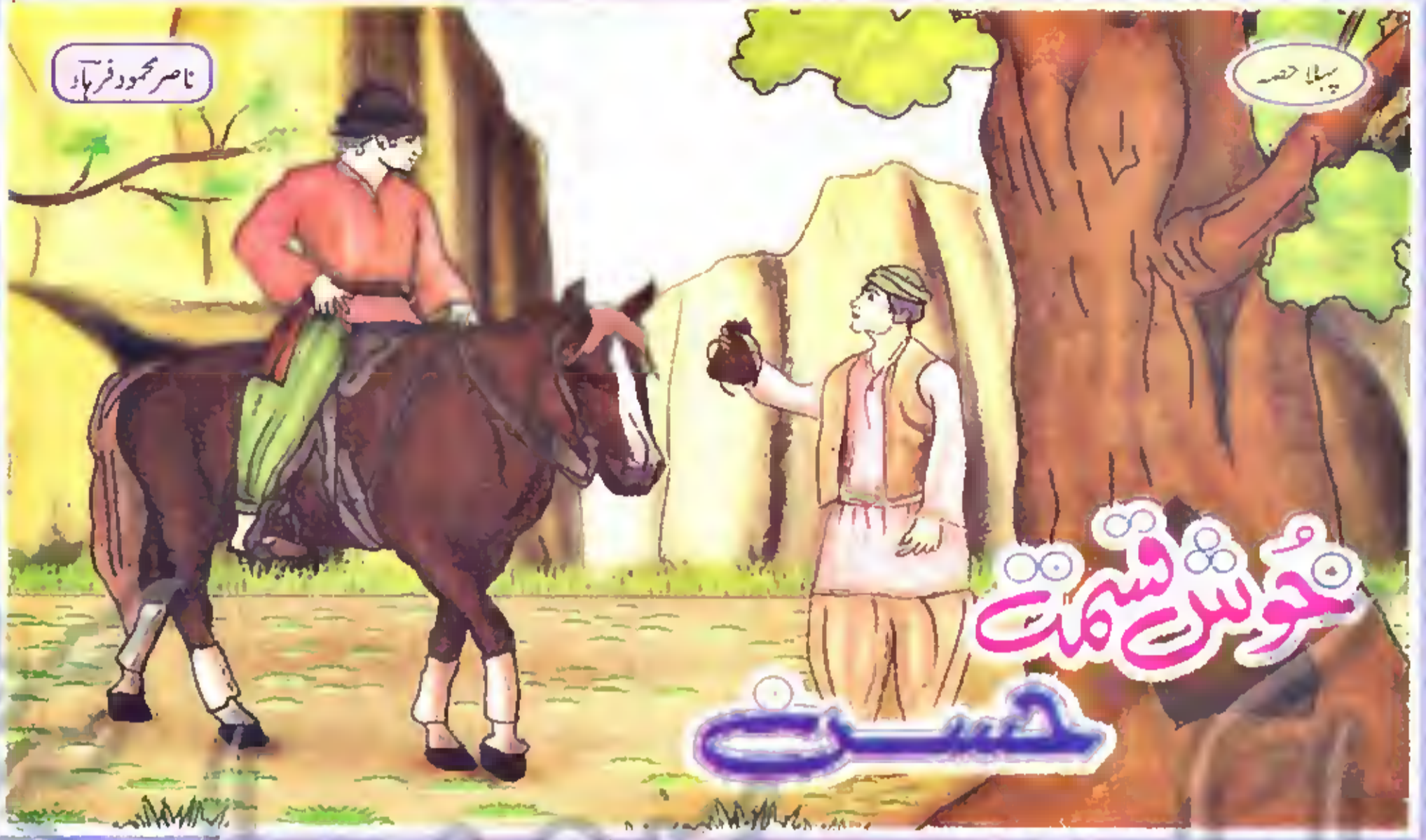
دانیال نے حیرت سے پوچھا۔ ”کیسی نعمتیں؟“ چھوٹو نے ایک ٹانگوں سے معذور لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔ چھوٹو کی باتیں سن کر دانیال سوچ میں پڑ گیا کہ مجھ سے چھوٹے لڑکے کو کتنی سمجھ ہے، اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ کتنا ناشکرا ہے۔

شام کو جب دانیال کی امی نے میز پر کھانے پینے کی چیزیں لگائیں تو بیٹے کو مسکرا کر بولی۔ ”بنا دانیال! آج تمہاری خواہش پوری ہو گئی۔ آج اتنی ساری کھانے کی چیزیں موجود ہیں اور وہ بھی سب تمہاری پسند کی۔ دانیال نے ماں سے کہا۔ ”نہیں امی، مجھے معاف کر دیں، آج مجھے احساس ہوا ہے کہ میں کتنا ناشکرا تھا۔ اللہ پاک نے ہمیں کبھی فاقہ نہیں کرایا اور بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے۔ آج کے بعد میں اللہ کی ناشکری نہیں کروں گا۔“

(پانچواں انعام: 95 روپے کی کتب)

ناصر محمود فرہاد

پہلا حصہ



خوش قسمت

حسن

نہیں تھا، اس لیے حسن کو یہ ساری رقم چاندی کی اشرفیوں کی صورت میں ملی۔ یہ سکتے اتنے زیادہ تھے کہ ان سے ایک بہت بڑی تھیلی بھر گئی۔ حسن نے یہ تھیلی اپنے کندھے پر لادی اور مالک کو خدا حافظ کہہ کر اپنے گاؤں کے راستے پر ہولیا۔ وہ پیدل ہی آہستہ آہستہ چلتا رہا۔ اس کے پاس کوئی سواری نہ تھی۔ دوپہر تک وہ چلتا رہا مگر پھر سکوں والی تھیلی کے وزن کے باعث اس سے چلنا دو بھر ہو گیا۔ اس کی رفتار بہت دہیمی ہو گئی تھی۔ وہ بڑی طرح تھک چکا تھا۔ اب وہ سکوں والی تھیلی کو کبھی ایک کندھے پر تو کبھی دوسرے کندھے پر اٹھاتا۔ آخر تھک ہار کر وہ ایک برگد کے درخت کے نیچے سنانے کے لیے بیٹھ گیا۔

ابھی اسے بیٹھے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ اسے سامنے سے ایک گھڑ سوار آتا نظر آیا۔ وہ ایک بہت عمدہ اور خوب صورت گھوڑے پر سوار تھا۔ اسے دیکھتے ہی تھکا ماندا حسن بے ساختہ بول اٹھا۔

”ارے واہ..... گھوڑے کی سواری کتنی آرام دہ ہے۔ کاش! میرے پاس بھی ایک گھوڑا ہوتا جس پر بیٹھ کر میں بہت آسانی سے اپنے گھر پہنچ سکتا تھا۔ اس طرح مجھے جنگل کے ان اونچے نیچے، ٹیڑھے میڑھے پتھر لیے راستوں پر بھی نہیں چلنا پڑتا اور میں جلدی اپنے گھر اپنی ماں تک پہنچ جاتا۔“

کچھ لوگ خوش قسمت پیدا ہوتے ہیں۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں درست ہو جاتا ہے۔ منی میں ہاتھ ڈالیں تو وہ بھی سونا بن جاتی ہے۔ ان کی الٹی چال بھی سیدھی پڑتی ہے۔ دنیا ان کے متعلق کیا سوچتی ہے، وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ وہ صرف اپنے متعلق سوچتے ہیں۔ ان ہی میں سے ایک خوش قسمت حسن تھا۔ اس نے مسلسل سات برس ایک امیر زمیندار کے ہاں ملازمت کی۔ اس دوران وہ ایک بار بھی اپنے گھر واپس نہیں گیا اور نہ ہی اپنی ماں سے ملا۔ آخر کار ایک دن وہ اپنے مالک زمیندار سے کہنے لگا۔

”میرے آقا! میں نے مسلسل سات سال آپ کی خدمت کی ہے لیکن اب میرا دل اپنی ماں اور اپنے گاؤں کے لیے اُداس ہو گیا ہے۔ اب مجھے چھٹی چاہیے۔ میں اپنے گھر جا کر اپنی بوڑھی ماں سے ملنا چاہتا ہوں۔ مجھے اجازت دیجیے۔“

زمیندار نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور بولا۔

”جسن! تم ایک وفادار اور مخلصی ملازم ہو، تم اب اپنے گاؤں جا سکتے ہو۔ میں تمہیں تمہاری سات سال کی تنخواہ اور اس کے ساتھ انعام بھی دوں گا۔“

اس کے بعد اس نے تنخواہ کے ساتھ ساتھ ایک بڑی رقم انعام کے طور پر حسن کو ادا کی۔ اس وقت کاغذی کرنسی کا رواج

حسن نے یہ ساری باتیں بلند آواز میں نہیں کی تھیں مگر گھڑ سوار نے اس کی بات سن لی۔ وہ اس کے قریب آ کر رُک گیا اور بولا۔
 ”میرے دوست تم پیدل کیوں سفر کر رہے ہو اور تمہارے سر پر یہ بوجھ کیسا ہے؟“
 حسن ایک آہ بھر کر بولا۔

”کیا بتاؤں دوست..... مجھے اس وزنی تھیلی کو اٹھانا پڑ رہا ہے۔ اس میں صرف چاندی کے سکے ہیں ہے مگر پھر بھی اس کا وزن اتنا زیادہ ہے کہ اب اس کو کندھے یا سر پر اٹھا کر مزید سفر کرنا میرے لیے محال ہے۔ میرے کندھے بڑی طرح ڈکھ رہے ہیں۔“
 چاندی کے سکوں کا ذکر سن کر گھڑ سوار کے دل میں لالچ آ گیا اور وہ ہمدردانہ لہجہ بنا کر بولا۔

”نو جوان..... تم اپنا یہ بوجھ مجھے کیوں نہیں دے دیتے۔ اس کے بدلے تم میرا گھوڑا لے جاؤ۔ اس طرح تم یہ بوجھ اٹھانے سے بچ جاؤ گے۔“

”اگر میں نے تمہارا گھوڑا لے لیا تو پھر تم پیدل ہو جاؤ گے اور تمہیں اس تھیلی کا بوجھ اٹھانا پڑے گا۔“ سادہ لوح حسن فکر مند ہو کر بولا۔
 ”تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں تمہاری خاطر پیدل بھی چل لوں گا اور یہ بوجھ بھی اٹھا لوں گا۔“ شاطر گھڑ سوار مسکراتے ہوئے بولا۔
 ”ارے واہ..... یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ تم تو بہت رحم دل انسان ہو۔“ حسن خوشی سے اچھل پڑا۔

”بس اب تم آرام سے میرے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ اور یہ تھیلی مجھے دے دو۔“ یہ کہتے ہوئے وہ گھڑ سوار خود گھوڑے سے نیچے اتر گیا اور سہارا دے کر حسن کو گھوڑے پر سوار ہونے میں مدد دینے لگا۔ اس نے گھوڑے کی باگیں حسن کے ہاتھ میں دے دیں اور خود حسن کی رقم والی تھیلی اٹھا کر اپنے کندھے پر رکھتے ہوئے بولا۔

”نو جوان..... جب تمہارا دل گھوڑے کو تیز دوڑانے کو چاہے تو اپنی ایڑی سے گھوڑے کی پسلی کو دبا دینا۔“ یہ کہہ کر وہ آدمی چاندی کے سکاؤں والی تھیلی کندھے پر رکھ کر ایک طرف کو ہولیا۔
 حسن گھوڑے پر سوار ہو کر بہت خوش تھا۔ وہ تن کر گھوڑے پر بیٹھ گیا اور خوش ہو کر سیٹی بجانے اور گنگنانے لگا۔ گھوڑا دگی چال چل رہا تھا۔ حسن پیدل چلنے کی مصیبت سے بچ گیا تھا اور اپنے آپ کو بہت زیادہ خوش قسمت سمجھ رہا تھا۔ کچھ دور جانے کے بعد اس نے

سوچا کہ مجھے گھوڑے کی رفتار بڑھانی چاہیے تاکہ جلدی اپنے گھر پہنچ سکوں۔ رفتار بڑھانے کے لیے جونہی اس نے گھڑ سوار کی ہدایت کے مطابق ایڑ لگائی تو گھوڑا ایک دم ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ وہ انتہائی تیز رفتاری سے بھاگنے لگا تھا۔ وہ اتنا تیز دوڑ رہا تھا کہ حسن اپنے آپ کو سنبھال نہ سکا اور دھڑام سے پیٹھ کے بل زمین پر آن گرا۔
 کچھ ہی دور ایک چرواہا اپنی گائے کو چراتا ہوا اسی طرف آ رہا تھا۔ اگر وہ آگے بڑھ کر گھوڑے کو نہ روکتا تو وہ نہ جانے کس طرف نکل جاتا۔ حسن جلد ہی سنبھل گیا اور اپنی چوٹوں کو سہلاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور چرواہے سے کہنے لگا۔

”گھڑ سواری بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ اس طرح کے وحشی جانور سے گر کر گروں کی ہڈی کا نہ ٹوٹنا خوش قسمتی ہی ہے۔ میں اس جنگلی جانور کو اب اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتا۔ دیکھو! اس نے میرے لباس کا بھی ستیاناس کر دیا ہے۔ اس سے اچھی تو تمہاری گائے ہے۔ کتنی پُرسکون اور خاموش طبع ہے۔“

چرواہا حسن کو اور اس کے گھوڑے کو غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔
 ”اگر یہ گائے تمہیں اتنی ہی پسند ہے تو میں تمہاری مدد کرنے کو تیار ہوں۔ تم اپنا گھوڑا مجھے دے دو اور بدلے میں میری گائے تم لے لو حالانکہ اس میں مجھے نقصان ہی ہے لیکن مجھے تم پر ترس آ رہا ہے۔“

اس چرواہے کی یہ بات سن کر حسن خوش ہو گیا اور کہنے لگا۔
 ”اے نیک دل دوست..... تمہارا بہت شکریہ! میں بھی اب اس جنگلی جانور کو اپنے ساتھ رکھنے کو تیار نہیں یہ تو مجھے زخمی ہی کر دے گا۔ مجھے ایسی خطرناک چیزیں پسند نہیں۔ مجھے تو تمہاری یہ پُرسکون سی گائے ہی پسند ہے۔“

چرواہے نے فوراً اپنی گائے کی رتی حسن کے ہاتھ میں تھمائی اور خود اچھل کر ماہر گھڑ سوار کی مانند گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ پھر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اسے دوڑاتا ہوا ایک طرف کو غائب ہو گیا۔ حسن نے اپنا لباس جھاڑا، چہرے کو صاف کیا۔ کچھ دیر ایک درخت کے نیچے آرام کیا اور پھر گائے کی رتی تھام کر خراماں خراماں چلنے لگا اور سوچنے لگا۔

”کتنا رحم دل انسان تھا یہ جس نے اس وحشی گھوڑے کے بدلے مجھے یہ نرم مزاج گائے دے دی۔ میں بہت خوش قسمت

ہوں کہ یہ گائے مل گئی۔ اب مجھے صرف روٹی کی فکر کرنی پڑے گی۔ گھی، مکھن اور پنیر تو مجھے اس گائے سے ہی مل جائے گا اور جب پیاس لگے گی تو اس کا دودھ پی لیا کروں گا۔ اب اس سے زیادہ مجھے اور کیا چاہیے۔“

یہی سب سوچتے سوچتے وہ سفر کرتا رہا یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا اور رات سر پر آگئی۔ وہ چلتے چلتے ایک سرائے میں پہنچا تو رات گزارنے کے لیے وہاں رُک گیا۔ اس کی جیب میں جو چند بچے کھچے سکتے تھے، اس کا اس نے پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا۔

رات اس سرائے میں گزارنے کے بعد صبح وہ دوبارہ اپنے سفر کے لیے تیار ہو گیا۔ جیب میں اب ایک بھوٹی کوڑی بھی باقی نہ تھی، اس لیے وہ بھوکا پیاسا ہی گائے کو لے کر اپنے گاؤں کی طرف چل پڑا۔ چلتے چلتے دوپہر ہو گئی۔ دھوپ بہت تیز تھی اور اسے گرمی بھی لگ رہی تھی۔ وہ پیاس سے بے حال تھا۔ زبان تالو سے چپک رہی تھی۔ دُور دُور تک کہیں پانی کا نام و نشان تک نہ تھا۔

”میرا خیال ہے مجھے پانی تلاش کرنے کی بجائے گائے کا دودھ نکال کر پی لینا چاہیے۔“ یہ سوچ کر اس نے گائے کو ایک درخت کے تنے کے ساتھ باندھ دیا۔ برتن تو اس کے پاس تھا نہیں، اس لیے اس نے اپنے سر سے ٹوپی اتاری اور اس میں گائے کا دودھ نکالنے کی کوشش کرنے لگا مگر دودھ کا ایک قطرہ بھی نہ نکلا۔ حسن پریشان ہو گیا۔ وہ تو گائے کو دودھ، پنیر اور مکھن کے لیے لے کر آیا تھا مگر یہاں تو دودھ کا ایک قطرہ ملنا بھی محال تھا۔ حسن نے کبھی گائے کا دودھ نہیں دہا تھا، اس لیے وہ بڑے بے ذہنگے انداز میں پھوہڑ پن سے دودھ دہنے کی کوشش کرتا رہا۔ گائے بھی اس کی اس حرکت پر تیخ پا ہو گئی اور تنگ آکر اس نے ایک زور دار لات حسن کے سر پر دے ماری۔ وہ لڑھک کر دُور جا گرا اور کافی دیر بے حس و حرکت زمین پر پڑا رہا۔ خوش قسمی سے ایک قصاب وہاں سے گزر رہا تھا جو کہیں سے ایک بکرا خرید کر لا رہا تھا۔ وہ حسن کو بے ہوش پڑا دیکھ کر پریشان ہو گیا، لپک کر اس کے قریب آیا اور اسے بمشکل ہوش میں لایا۔ جب حسن نے آنکھیں کھولیں تو وہ پوچھنے لگا۔

”اے اجنبی... تمہارے ساتھ کیا ماجرا ہوا ہے۔ تم اس طرح یہاں بے ہوش کیوں پڑے ہو؟“

جواب میں حسن نے اسے اپنی ساری کہانی سنا دی۔ قصاب نے اپنے گلے میں لٹکی پانی کی بوتل سے اسے پانی پلایا اور بولا۔

”یہ پانی پیو اور تازہ دم ہو جاؤ۔“ پھر وہ اس کی گائے کے قریب گیا اور اسے بغور دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میرے دوست تمہاری یہ گائے اب اس قابل نہیں کہ دودھ دے سکے، یہ بہت بوڑھی ہو چکی ہے۔ اسے خریدنے سے پہلے شاید تم نے اس بات پر غور نہیں کیا تھا۔ اب یہ صرف اسی کام آسکتی ہے کہ اس کو ذبح کر کے اور اس کا گوشت کاٹ کر بازار میں فروخت کر دیا جائے۔“

قصاب کی یہ بات سن کر حسن افسردہ ہو گیا اور کہنے لگا۔

”کتنے افسوس کی بات ہے کہ وہ شخص دھوکے سے میرا اتنا قیمتی گھوڑا لے گیا اور مجھے یہ بوڑھی مریل گائے دے گیا۔ اب اسے ذبح کرتے ہوئے بھی مجھے افسوس ہو گا۔ ویسے بھی گائے کا گوشت مجھے پسند نہیں ہے، مجھے تو صرف بکرے کا گوشت پسند ہے۔ ایسے ہی موٹے تازے بکرے کا جیسا تم اپنے ساتھ لیے پھر رہے ہو بکرے کا گوشت بہت لذیذ ہوتا ہے۔“

”اگر تمہیں یہی بکرا پسند ہے تو میں تمہاری مدد ضرور کروں گا۔ مجھے تم پر اور تمہاری حالت پر ترس آ رہا ہے۔ میں تمہاری اس مریل بوڑھی گائے کے بدلے اپنا یہ موٹا تازہ فرہ بکرا تمہیں دے سکتا ہوں۔ میں نے تو گوشت ہی فروخت کرنا ہے، بکرے کا نہ سہی گائے کا ہی سہی۔“ قصاب بولا۔

”خدا تمہیں خوش رکھے۔“ حسن خوش ہو کر بولا اور اس نے گائے کی رتی کھول کر قصاب کے ہاتھ میں تھما دی اور خود اس سے بکرا لے لیا۔ اس کے بعد حسن قصاب کو خدا حافظ کہہ کر بکرے کی رتی تھامے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ اب اسے ہر چیز اچھی محسوس ہو رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے وہ اپنے آپ کو ایک بد قسمت انسان سمجھ رہا تھا مگر اب اسے اپنی خوش قسمتی پر ناز ہو رہا تھا کہ اسے بوڑھی مریل گائے کے بدلے اتنی آسانی سے ایک موٹا تازہ بکرا مل گیا ہے۔ ابھی وہ کچھ ہی دُور گیا تھا کہ اسے سامنے سے ایک دیہاتی آتا نظر آیا جس نے ایک بہت بڑی بطخ اٹھا رکھی تھی۔ حسن کے قریب پہنچ کر وہ دیہاتی رُک گیا اور اس سے وقت پوچھنے لگا۔ یہاں سے ان کی گفت گو شروع ہو گئی۔ وہ دیہاتی حسن سے پوچھنے لگا۔ (باقی آئندہ)

کھوج لگائیے!



ذہانت آزمائیں اور 500 روپے کی کتابوں کا انعام پائیں۔

ذہانت آزمائیں اور 500 روپے کی کتابوں کا انعام پائیں۔

مس نورین ایک قابل اور ذہین استاد ہیں۔ ان کے پڑھانے کا طریقہ اور انداز بہت منفرد ہوتا ہے۔ چوں کہ وہ ریاضی کا مضمون پڑھاتی ہیں لہذا وہ کھیل ہی کھیل اور باتوں ہی باتوں میں مشکل سوالات اور فامولے سمجھا دیتی ہیں۔ اس سال بھی انہیں ”بیٹ نیچر“ کا ایوارڈ ملا ہے۔ بلکہ ان کے بچے منوں میں ہر سوال کا جواب دے ڈالتے ہیں۔ مس نورین انہیں ذہنی ورزش کراتی رہتی ہیں۔ لہذا بچے رٹا نہیں لگاتے۔ پیارے بچو! رٹا لگانا تو بہت بری چیز ہے۔ ہر بات کو اچھی طرح سمجھ کر یاد کرنا اور عملی طور پر مشق کرنا ہی اصل قابلیت ہے۔ یہ مس نورین کی ریاضی کی کلاس ہو رہی ہے۔ آئیے آپ کو ان کی کلاس میں لے چلتے ہیں۔

مس نورین نے بچوں سے ایک سوال کیا آپ بھی سنئے!

”پیارے بچو! مسٹر اور مسز ندیم کے پانچ بیٹے ہیں اور ہر بیٹے کی ایک بہن ہے۔ بتائیے ان کے خاندان میں کل کتنے افراد ہیں۔“ تمام بچوں نے فوراً ہاتھ کر دیئے۔ اس کا مطلب ہوا کہ سب بچوں کو اس سوال کا جواب آتا ہے۔ آپ بھی تھوڑا سا ذہن پر زور ڈالیں اور ہمیں جواب لکھ بھیجئے۔



پیارے بچو! جنوری 2017ء کے کھوج لگائیے کا جواب ہے: ”مہندی“

اس ماہ بے شمار ساتھیوں کے درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے پانچ ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیئے جا رہے ہیں۔

- | | | |
|---------------------------|---------------------------|-------------------------|
| 1- بحر جاوید، سیال کوٹ | 2- دانش علی، حویلی لکھا | 3- مدثر طاہر، راول پنڈی |
| 4- مصباح بی بی، ایبٹ آباد | 5- شفاء اعزاز، اسلام آباد | |

WWW.PAKSOCIETY.COM

فروری 2017

تعلیمی ذہانت

36

بھول بھلا کر



باتیں یاد رکھنے کی کوشش کروں گا۔“ مگر یہ ہمیشہ کی طرح بھول جاتے اور اپنی کرنی سے باز نہ آتے۔ اور ابھی! بات یہ ہے کہ دنیا میں اتنی بہت سی تو باتیں ہیں۔ بھلا کوئی کہاں تک یاد رکھے، ادبہ! اب مثلاً تمام ہاتھی بن مانسوں سے نفرت کرتے تھے کیوں کہ آج سے سو برس پہلے کسی بن مانس نے ایک بڑا ساناریل کسی ہاتھی کے منہ پر دے مارا تھا۔ اس دن سے تمام ہاتھی بن مانسوں کے دشمن ہو گئے۔ یہ بات جگنو کو بہت سے ہاتھیوں نے سمجھائی تھی مگر میاں جگنو تو تھے ہی بھول بھلا کر۔ کئی بار کان پکڑ کر تو یہ کی کہ اب بن مانسوں کے بچوں کے ساتھ نہیں کھیلوں گا۔ کھیلنا کیسا ان کی صورت بھی نہیں دیکھوں گا۔ مگر دوسرے ہی دن ساری تو بے بھول جاتے اور پھر ان کے ساتھ کبڈی کھیلنا شروع کر دیتے۔

ہاتھیوں کے دوسرے دشمن طوطے تھے۔ ہاتھی ان سے بھی بڑی نفرت کرتے تھے۔ بات یہ تھی کہ ایک دفعہ کوئی ہاتھی بیمار ہو گیا۔ اس لیے ہاتھیوں نے طوطوں سے کہا کہ شور مت مچایا کرو۔ اس سے مریض کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے مگر تو بہ! وہ طوطے ہی کیا جو ٹیس ٹیس کر کے آسمان سے پھینکے اور نہ اٹھالیں۔ اس دن سے ہاتھی طوطوں سے

کسی جنگل میں ایک ننھا سنا ہاتھی رہا کرتا تھا۔ اس کا نام تھا جگنو۔ میاں جگنو ویسے تو بڑے اچھے تھے۔ ننھی سی سوئڈ، ننھی سی دم اور..... اور بوٹا سا قد، بڑے ننس مکھ اور یاروں کے یار مگر خرابی یہ تھی کہ ذرا دماغ کے کمزور تھے۔ بس کوئی بات یاد نہیں رہتی تھی۔ امی جان کسی بات کو منع کرتیں تو ڈر کے مارے ہاں تو کر لیتے مگر پھر تھوڑی ہی دیر بعد بالکل بھول جاتے اور اس بات کو بچھرنے لگتے۔ ابا جان پریشان تھے تو امی جان عاجز۔ تمام ساتھی میاں جگنو کا مذاق اڑاتے اور انہیں ”بھول بھلا کر“ کہا کرتے۔

ابا جان میاں جگنو کا کان زور سے اینٹھ کر کہتے۔ ”دیکھو بھئی جگنو، تم نے تو بالکل ہی حد کر دی۔ بھلا ایسا بھی دماغ کیا کہ کوئی بات یاد ہی نہ رہے۔ تم باتوں کو یاد رکھنے کی کوشش کیا کرو۔ ہاتھی کی قوم تو بڑی تیز دماغ ہوتی ہے۔ برس برس کی باتیں نہیں بھولتیں مگر خدا جانے تم کس طرح کے ہاتھی ہو۔ اگر تمہاری یہی حالت رہی تو تم سارے خاندان کی ناک کٹوا دو گے۔“

جگنو میاں جلدی سے اپنی ننھی سی سوئڈ پر ہاتھ پھیرتے اور سر ہلا کر کہتے۔ ”ابا جان! اب کے تو معاف کر دیجیے۔ آئندہ میں ضرور

”میں ہوں جگنو، اس گڑھے میں پڑا ہوں۔ خدا کے لیے مجھے یہاں سے نکالو۔“

اس کے ماں باپ نے نیچے جھک کر اسے دیکھا۔ چند بڑے بوڑھے ہاتھی بھی اس کے پاس آگئے۔ سب کے سب پریشان تھے۔ کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ جگنو کو اس مصیبت سے کس طرح نجات دلائیں۔ انہیں خاموش دیکھ کر جگنو کا دل بیٹھ گیا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر بولا۔

”تم مجھے یہاں سے نہیں نکال سکتے؟ میری کوئی مدد نہیں کر سکتا؟ اُف میں کیا کروں؟“

سب ہاتھیوں نے مایوسی سے سر بلایا اور آہستہ آہستہ چلے گئے۔ چلتے وقت اس کی ماں نے کہا۔ ”جگنو! گھبرانا مت، ہم تمہارے لیے کھانا لے کر آتے ہیں۔“ مگر جگنو کو کھانے کی ضرورت نہ تھی۔ اس گڑھے سے نکلنا چاہتا تھا۔

ہاتھی چلے گئے تو اس نے ایک گہری سانس لی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اچانک اسے سر پر بہت سے بڑوں کے پھڑپھڑانے کی آواز آئی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو رنگ برنگے طوطے نظر آئے۔ یہ سب اس کے دوست تھے، جنہیں وہ اپنی پیٹھ پر چڑھا کر جنگل کی سیر کراتا تھا۔ کچھ طوطے گڑھے پر آ کر بولے۔ ”جگنو! گھبراؤ نہیں، ہم انہیں اس مصیبت سے چھٹکارا دلاتے ہیں۔ خاطر جمع رکھو۔“

یہ کہہ کر وہ چلے گئے اور پھر جگنو نے سنا کہ طوطے بن مانسوں کو آوازیں دے رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد طوطے بہت سے بن مانسوں کو لے کر آگئے۔ ان کے ہاتھوں میں انگوروں کی لمبی لمبی رسیوں جیسی بلیں تھیں۔ انہوں نے بیلوں کے سرے گڑھے میں لٹکا دیئے اور کچھ بن مانس ان کے ذریعے گڑھے میں اتر گئے۔ جگنو انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اب اسے باہر نکلنے کی کچھ امید ہو گئی تھی۔ ہنس کر بولا۔ ”میرے دوستو! کیا تم مجھے باہر نکالنے میں کامیاب ہو جاؤ گے؟“

بن مانس بولے۔ ”کیوں نہیں۔ ضرور! خدا نے چاہا تو ابھی ابھی ہم تمہیں اوپر کھینچ لیں گے۔ اگر کوئی اور ہاتھی ہوتا تو ہم ذرا بھی پروا نہ کرتے کیونکہ وہ ہم سے نفرت کرتے ہیں مگر تمہاری بات میری ہے۔ تمہارے دوست ہو اور دوست کی مدد کرنا دوست کا

بھی پیر رکھنے لگے۔ وہ تو کہو ان کے بس کی بات نہیں تھی، ورنہ انہوں نے تو کبھی کی ان کی چٹنی بنا کر رکھ دی ہوتی۔ جگنو کے ماں باپ اور یار دوستوں نے اسے یہ بات بھی کئی مرتبہ بتائی تھی اور کہا تھا کہ طوطوں سے ہماری لڑائی ہے۔ تم بھی ان سے بات مت کیا کرو مگر میاں جگنو بن مانس والی بات کی طرح یہ بات بھی بھول جاتے اور طوطوں کو اپنی پیٹھ پر چڑھا کر سارے جنگل میں کودے کودے پھرتے۔

میاں جگنو کی یہ حرکتیں دیکھ کر ہاتھیوں نے اس سے بول چال بند کر دی۔ بڑے بڑے ہاتھیوں نے کہا۔ ”جگنو کا حافظہ اتنا خراب ہے کہ کسی کی دوستی اور دشمنی کو نہیں سمجھتا، بھلا یہ کسی سے دشمنی کیا کر سکتے گا۔“

تمام ہاتھی اس کو بے وقوف کہہ کہہ کر چڑانے اور اس پر پھبتیاں کتے مگر جگنو کو کسی کی پروا نہیں تھی۔ وہ اتنا سیدھا سادا اور نیک دل تھا کہ وہ ان کے مذاق سے بالکل بُرا نہ مانتا تھا اور پھر اس کا حافظہ بھی تو کمزور تھا۔ اسے یاد ہی نہیں رہتا تھا کہ کون دوست ہے کون دشمن۔ کون سی بات اچھی ہے، کون سی بُری۔

ایک دن ایک بڑا ہی خوف ناک واقعہ پیش آیا۔ جگنو جنگل میں ٹہلتا پھر رہا تھا کہ ایسا معلوم ہوا جیسے ایک دم زمین پھٹ گئی اور وہ اس میں سا گیا۔ اصل میں شکار یوں نے یہ گڑھا کھود کر اس کے اوپر گھاس پھوس ڈھانپ دیا تھا تاکہ ہاتھی اس کے اوپر سے گزریں تو نیچے گر پڑیں اور پھر وہ انہیں پکڑ لیں۔ قسمت کی بات، میاں جگنو ہی کی شامت آگئی۔

ایک دم اوپر سے گرنے سے میاں جگنو کے بہت چوٹ آئی تھی۔ تھوڑی دیر تک تو اس کی سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ یہ ہوا کیا۔ آخر جب اس نے آنکھیں ملیں اور ادھر ادھر دیکھا تو پھر اسے معلوم ہوا کہ وہ ایک گہرے گڑھے میں گر پڑا ہے۔ اب تو اس کی جان نکل گئی۔ اس نے پیر پٹک پٹک کر اور ادھر ادھر ٹکریں مار مار کر لاکھ کوشش کی کہ کسی طرح گڑھے سے نکل جائے مگر کچھ بن نہ پڑی۔ بے چارے نے ہر طرف سے مایوس ہو کر زور سے چنگھاڑنا شروع کر دیا۔ ابا ابا! اماں اماں! دوڑ دوڑو۔

جگنو کی چیخیں سن کر جنگل کے تمام ہاتھی ووڑ پڑے اور گڑھے کے پلکھا کھڑے ہو کر نیچے دیکھنے لگے۔ جگنو نے چیخ کر کہا۔



فرض ہے۔ لو اب ذرا تم
سیدھے کھڑے ہو جاؤ
تاکہ ہم تمہیں ان رسیوں
سے باندھ دیں۔

جگنو کھڑا ہو گیا اور
بن مانسوں نے اسے
رسیوں سے خوب جکڑ
دیا۔ پھر وہ ان تمام رسیوں
(بیلوں) کو لے کر گڑھے
سے باہر چلے گئے اور
انہیں سب کو بٹ کر ایک
موٹی سی رسی بنا لی۔ پھر
ایک بن مانس زور سے
بولا۔ ”ہوشیار، خبردار!“

سب کے سب بن
مانسوں نے رسی کو منبھوٹی
سے تمام لیا اور تن کر
کھڑے ہو گئے۔ اسی بن
مانس نے پھر کہا۔ ”کھینچو! ایک ساتھ۔“

اب سارے بن مانس رسی کو پوری طاقت سے کھینچنے لگے۔
ایک زور کے جھٹکے کے ساتھ جگنو کے پیر ایک دم زمین سے
اٹھ گئے اور پھر وہ آہستہ آہستہ اوپر اٹھتا گیا۔ اس کا دل دھک
دھک کر رہا تھا۔ بدن پر پسینے تھوٹ رہے تھے۔ اگر رسی ٹوٹ گئی
تو؟ تو وہ پھر دھڑام سے نیچے گر پڑے گا۔ بن مانس برابر رسی کھینچ
رہے تھے اور ساتھ ساتھ شور مچاتے جاتے۔ ”ہاں شاباش! کیا کہنے
بہادر و! بس تھوڑا سا فاصلہ اور رہ گیا ہے۔ ہاں لگے زور.....“

تھوڑی دیر میں میاں جگنو زمین کے اوپر تھے۔ انہوں نے
حیرت سے آنکھیں ملیں۔ چاروں طرف دیکھا اور جب سب
دوستوں نے خوشی سے تالیاں بجائیں، تب وہ سمجھے کہ میں سچ سچ
اوپر آ گیا ہوں۔ نئی زندگی پا کر جگنو کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا۔ کھلکھلائے
پڑتے تھے۔ یار دوستوں سے خوب خوب گئے ملے اور بولے۔ ”تم
سچ سچ میرے دوست ہو۔ دوست ہو جو مصیبت میں کام آئے۔ چلو

سب میری پینہ پر چڑھ جاؤ۔“

جگنو میاں گھر پہنچے تو ماں باپ رو رہے تھے۔ ان کے لیے تو
میاں جگنو ختم ہو چکے تھے لیکن انہیں ایسا ایسا آتا ہوا دیکھ کر دنگ رہ
گئے۔ امی جان ”میرے لال“ کہہ کر چمٹ گئیں۔ ابا جان نے بھی
پیار کیا۔ جب دلوں کی بھڑاس نکل چکی تو میاں جگنو نے بتایا کہ جن
جانوروں کو آپ دشمن سمجھتے اور انہیں ہمیشہ نفرت کی نظر سے دیکھتے
تھے، انہوں نے ہی میری جان بچائی، تو وہ بہت خوش ہوئے اور
انہوں نے میاں جگنو کو اجازت دے دی کہ تم خوشی سے طوطوں اور
بن مانسوں کے ساتھ کھیلا کرو۔ تمہیں کوئی نہیں روکے گا۔ اس
دن سے تمام ہاتھیوں نے انہیں بے وقوف بھی کہنا چھوڑ دیا اور ان
سے ہنسی خوشی ملنے جلنے لگے۔

جگنو کے ماں باپ کو آج پہلی بار معلوم ہوا کہ دوسروں کے
خلاف دل میں خواہ خواہ حسد اور دشمنی رکھنے سے یہ بہتر ہے کہ
انہیں دوست بنا جائے تاکہ وہ وقت پر کام آسکیں۔ ☆☆

شمرہ احمد سعید



سنگ سنگ ہوتا۔ پھر اسے ایک اور رتبہ بھی حاصل تھا کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کا پسندیدہ رہا، اسے مومنین و مومنات سے خصوصی نسبت حاصل رہی۔ کالا رنگ حجر اسود کا تھا، کعبہ شریف کا غلاف بھی کالے رنگ کا اپنی جلالیت دکھاتا۔ وہ جو رب کریم کا عطا کردہ اور خوب صورت بھی ہے۔ نارنجی رنگ خوش تھا کہ گرمی کے موسم میں طرح طرح کی اقسام کے بڑے بڑے آڑوؤں میں دکھائی دیتا۔ سب کا من پسند کوئی جوس بنا کر پیتا۔ تو کوئی کاٹ کاٹ کر کالی مرچ اور نمک لگا کر کھانا پسند کرتا۔ ہر کوئی چاہتا کہ وہ پیچ کٹر کا سوٹ بھی پہنے تاکہ سورج کی تیش میں ہلکے رنگ سے ٹھنڈک کا احساس برقرار رہے، جلد کو سکون ملے۔ جب سواری رنگ کی بات آئی تو کہنے لگا، ”میں تو زمین کی پہچان ہوں یعنی مٹی بھوری بھوری ہوتی ہے۔ میرے تو بہت فائدے بھی ہیں۔ کبھی بھوری، سواری گائے دیکھی دوستو! تم لوگ چھانگا مانگا کے جنگلات کی طرف جاؤ تو وہاں اکثر چرتی نظر آئیں گی۔ تعداد میں بہت زیادہ، اپنے پورے کنبے سمیت ان کی مانگ پورے پاکستان میں ان کے رنگ و نسل، قد کاٹھ، اچھی اٹھان و صحت کی بناء پر ہوتی ہے۔“ پیلا رنگ

بارہ رنگوں کی آپس میں ازل سے ہی دوستی تھی، کوئی بھی موسم ہوتا کبھی مل کر رہتے۔ ہر خوشی غم انہوں نے اکٹھے گزارنے کے عہد و پیمان کیے تھے۔ نیلا، پیلا، ہرا، لال، جامنی، سواری، سفید، کالا، سنہرا، سلیٹی، آسمانی، آڑو جیسا ہلکا ہلکا نارنجی، کبھی گہرے دوست تھے۔ جب برسات کا موسم آتا تو سلیٹی رنگ آسمانوں پر خوب اٹھیلیاں کرتا پھرتا۔ کبھی بادلوں کے ساتھ مل کر گھاؤں کو کالا کرتا اور چھما چھم جگہ جگہ برستا۔ ہرا رنگ کھیتوں کھلیانوں کی جان تھا۔ پیڑوں، پودوں، جڑی بوٹیوں، پتوں اور خصوصاً پہاڑوں کے دامن میں چراگا ہوں میں اپنی ہریا دل سے نظروں کو نظر لگ جانے کی حد تک خوب صورت تھا۔ ہر کوئی اسے چاہتا، مراہتا، اس کی دل فریبی بڑا ہی متاثر کرتی۔ سفید رنگ ہر طرف دریاؤں کے پانیوں میں جھلکتا، چمکتا، تیرتا پھرتا۔ جب سمندر اپنی جھاگ اڑاتے، دریا موج میں آتے، لہریں لہروں کے ساتھ مل کر جھاگ اڑاتیں تو سفید رنگ کو بہت ہی مزا آتا۔ یہ اس لیے بھی خوش رہتا کہ حاجیوں کے لباس میں بھی دس ذالجبہ کو خانہ کعبہ میں اعزاز پاتا اور رب کے پاس جانے کے وقت بھی اسے ہی پہنا جاتا۔ ایسی کا سفر بھی اس کے

پیچھے کب رہنے والا تھا۔ بولا: "سفید، کالا اور ہر میرے دوست ہیں۔ ان کی باتیں تو آپ لوگوں نے خوب سن لیں، اب میری باری ہے۔ میں سورج کبھی کا مکھڑا اپنے رنگ سے رنگ کر نکھارتا ہوں۔ امانت کے پیلے پیلے زرد زرد کچھے خوشبوؤں سے مہکتے اتنے سندر دکھائی دیتے ہیں کہ ہر کوئی انگشت بندوں ہی رہ جاتا ہے۔ کیلوں میں میرا عکس خوب چمکتا ہے اور بچپان کا بادشاہ آم، بان! جناب پوری دنیا میں میرا کرتا ہے اور میرے وارے نیارے ہو جاتے ہیں۔ پپیتا بھی اتنا پیارا زرد ہوتا ہے کہ کیا بتاؤں اور سوچو میں کہاں کہاں دکھتا ہوں۔ کبھی ہے بوجھو تو جانیں؟ قوس و قزح کے ساتھ رنگ یہ سن کر مسکرائے تو سنہرا رنگ اپنی مندی مندی آ نکھیں کھلتا ہوا دھیرے سے بولا: "میں ہر طرف پھیلا ہوا ہوں۔ سبز گنبد، خانہ کعبہ، مقام ابراہیم میں آپ سب کو دکھائی دیتا ہوں۔ سنہری جالیاں، سنہرا چاند، رات کو جب روشنیاں بکھیرتا ہے تو میں خدائے وحد لا شریک کی حمد و ثنا میں تشکر سے سر بسجود رہتا ہوں۔ کبھی آپ کی آنکھوں میں سنہرے خوابوں کی صورت چلا آتا ہوں۔ میں بہت خوش ہوں کہ آپ سب مجھے چاہتے ہیں۔ آسمانی رنگ گیت گنگنا تا ہوا کہنے لگا، آسمان کی دسمتوں میں سمٹا ہوا، ہر طرف بکھرا ہوا، آپ سب کے اوپر چھت کی طرتا ہوں۔ سچھی جب میرے دامن میں اڑتے پھرتے ہیں تو کہتے بھلے لگتے ہیں اور جب جہاز شوں کر کے اپنی اڑان بھرتے ہیں، زمین پر بسنے والے دور سے انہیں آسمان کے بیچ اڑتا دیکھ کر حضرت انسان کی تخلیق پر حیران رہ جاتے ہیں۔ میرے اندر نیلا نیلا نہیں بھی ہیں، جامنی رنگ خوب ہنسا اور ہنستے ہنستے دوہرا ہو گیا۔ ارے کیا ہوا؟ سب رنگ مسکرائے تو ہر طرف بہار آگئی۔ کیا بتاؤں، بیٹن میں ہوں تو سب بیٹنی رنگ کہنے لگے، جامن میں آیا تو جامنو کہنے لگے۔ پیاز میں بھی ہلکی آمیزش ہوئی تو پیازی۔ ان سبوں میں کسی نے کیا کیا؟ میرے نام کے جملے بنائے "اقصالی کا بیٹن" لیکن سچ میں مجھے اپنا آپ پھولوں میں بہت ہی بھلا لگا۔ نل فلاور، کاسنی بوٹی، دامن کو، میں لگے جگلی پھولوں نے جب اپنی خوشبوؤں میں مجھے بسا لیا تو میرا انسانی دنیا کی طرف اڑنے کو جی ہی نہ چاہا مگر اپنی مرضی تھوڑی چلائی تھی، اللہ کریم کی مرضی سے میں پھل سبزی میں رچا بسا ہوا ہوں، الحمد للہ!

لال رنگ بولا، "میری تو کسی نے سنی ہی نہیں۔" جامنی رنگ بولا، ارے ناراض مت ہونا، ابھی تو میں نے اور کہانی سنانی تھی۔ تمہاری وجہ سے میں نے لفظوں کو سمیٹا تا کہ تمہارا انتظار طویل نہ ہو جائے۔ اب بولو لال جو کہ سرخ گلابوں میں ہے، پھولوں میں ہے، دل میں ہے۔ کہنے لگا، نمائش، تربوز، انار، سیب جتنے سرخ ہوتے ہیں، اتنے ہی دلکش بھی، بلبل کی دم میں لالی کتنی بھلی اور طوطے کی چونچ میں لالی کتنی پیاری لگتی ہے۔ جب مرچیں پک جاتی ہیں تو پوری دنیا میں لال مرچ استعمال ہوتی ہے۔ جب آسمان پر سورج چھینے لگتا ہے تو شام کی لالی گھر لوٹنے کے پیغام سنانی ہے اور جب بچے صحت مند ہوتے ہیں تو میں ان کے گالوں پر لالی بن کر آتا ہوں۔ میری سرخیاں ہر سو بکھری جاتی ہیں اور بہت سے لوگوں کا میں پسندیدہ رنگ ہوں۔ وہ اپنے لباس میں مجھے چن کر انفرادیت پسند کرتے ہیں۔

اتنی باتیں کرنے کے بعد لال رنگ نے اجازت چاہی تو اپنے دوستوں کے ساتھ گفتگو کرتے کرتے باقی رنگ چوٹے کیوں کہ بہت سے بچے بک شاپ پر کھڑے تھے اور دکان دار سے بارہ رنگوں والی ایسا مانگ رہے تھے۔ کچھ مارکر پنسل، واٹر کلر کی مانگ کر رہے تھے کیوں کہ صبح سب کا ڈرائنگ کا پرچہ تھا اور ڈرائنگ تو رنگوں کے بغیر ابھوری تھی۔ سب معیاری رنگوں کے طلب گار تھے۔ کوئی ڈیر کوئی پکاسو کی پکار دے رہا تھا۔ دکان دار کی خوب بکری ہو رہی تھی۔ اب یہ تو بعد میں پتا چلنا تھا کہ سب سے اچھے رنگ کرنے میں کون ماہر ہے اور کس نے کتنے نمبر لینے ہیں اور کس کا آرت ڈرک اساتذہ کرام نے پہلے نمبر پر پسند کرنا ہے۔ داد کس نے کتنی وصول کرنی ہے۔ بہر حال رنگ ہر حال میں خوش تھے کیوں کہ رنگوں کے بغیر ہر کوئی اوتورا ہے۔ جب رنگ ملتے ہیں، کھلتے ہیں تو ہر شے دیدہ زیب لگتی ہے۔ زندگی رنگوں سے ہی مزین ہو تو دل کش درعنا لگتی ہے۔ بارہ رنگ بارہ باتیں بتانے کے بعد الوداع ہونے لگے تو خوشی سے مسکرا رہے تھے کہ ان کے وجود سے جزی انسانی زندگیوں میں رنگ کھل رہے ہیں، مسکرائیں ہیں، خوشی کے نغمے گنگنا رہے ہیں۔ ہر رنگ میں زندگی نظر آ رہی ہے اور کہہ رہے ہیں کہ رنگوں کے بغیر زندگی اوتوری ہے۔

☆☆☆

9۔ اس اصول کی وجہ سے اوستہ کا بنا جہاز پانڈی پر نیرتا ہنہ ہے لیکن
 اسے کی ایک کھیل ڈوب جاتی ہے؟
 ا۔ اصول نیشن ii۔ اصول تعلیم iii۔ اصول ارشیدیس
 10۔ چوہدری رحمت علی کب پیدا ہوئے؟
 ا۔ 16 نومبر 1897ء ii۔ 16 نومبر 1898ء iii۔ 6 نومبر 1899ء

جوابات علمی آزمائش جنوری 2017ء

1۔ دست خوان 2۔ ہاشم 3۔ تپ زق 4۔ سر کی لاک
 5۔ نین 6۔ آشا این ہے اسیر انہ پیرا زون کی پڑا لوں میں
 7۔ اور 8۔ یارگی، قررودو پاکستان 9۔ 2 مارچ 10۔ فرید خان
 اس ماہ سے تیار ہائے ہوں کے درسنہ علی موسور ہوں گے۔ ان میں سے
 3 ساتھیوں کو بڑا بچہ فرم لند تار اللہ است دینے ہا۔ یہ ہیں۔
 11۔ حسن رضا سردار، کلا سوگ (150 روپیہ کی کتاب)
 12۔ نعید براسن، قصور (100 روپیہ کی کتاب)
 13۔ محمد اشرفی و قاسم، بہاول پور (90 روپیہ کی کتاب)
 14۔ علی احمد سلسلہ میں حصہ لینے سے برکت پکڑ کے 50 بہ ذرا پیر فرم کر لیا
 15۔ بیچنور، ماہ نور ٹکڑ، پور سید، ڈار شیخ پورہ۔ شرفا احمد ایون
 16۔ رانی، شکر، تیر اور افتخار ایون۔ پیر علف۔ ایون۔ جہا
 17۔ خٹک، نوشہرہ کیش۔ ن کٹ، قذس، اہول، ندی۔ عابد نور، جلال کٹ۔
 18۔ بیو تھوڑا، خالد، حنیف، صمد۔ محمد اور عثمان انا۔ ماد اور تھوڑا سریم ایون
 19۔ رگبیا۔ سید، مازہ، کریم، محمد، مہتاب، خان۔ مدید، نور، پورہ۔
 20۔ ہار اصف، لاہور۔ محمد، سہیل، ایون۔ محمد، علی، حسین، سبحان، لاہور۔ محمد
 21۔ سعید، نور، نیک، سگر۔ اور ایون۔ محمد، علی، حسین، سبحان، لاہور۔ محمد
 22۔ اور، حویس، نور، سہیل، ایون۔ محمد، علی، حسین، سبحان، لاہور۔ محمد
 23۔ شہزاد، ایون۔ محمد، علی، حسین، سبحان، لاہور۔ محمد
 24۔ آئی، ایون۔ محمد، علی، حسین، سبحان، لاہور۔ محمد
 25۔ ایون، شہزاد، فیصل، آواز، سن، قاسم، ایون۔ عبدالعزیز، فیصل، آواز۔
 26۔ ایون، شہزاد، رانی، پند، محمد، سن، آواز، ایون۔ مسعود، نوید، رانی، پند۔
 27۔ محمد، عزیز، بہاولی، محمد، صفی، آواز، ایون۔ محمد، علی، حسین، سبحان، لاہور۔ محمد
 28۔ جنت۔ محمد، نایم، سنار، لاہور۔ ممتاز، پند، ایون۔ محمد، علی، حسین، سبحان، لاہور۔ محمد
 29۔ لاہور، انسر، مان، پند۔ نر، عدی، ایون، انور۔ محمد، ذکا، مہمان، لاہور۔
 30۔ خاور، نور، ایون، کائن، ایون، نور، ایون، نور، ایون۔ محمد، علی، حسین، سبحان، لاہور۔ محمد
 31۔ فرحان، علی، لاہور۔ محمد، علی، حسین، سبحان، لاہور۔ محمد
 32۔ ایون، فیصل، ایون۔ محمد، علی، حسین، سبحان، لاہور۔ محمد
 33۔ شہزاد، ایون، محمد، علی، حسین، سبحان، لاہور۔ محمد
 34۔ ایون، محمد، علی، حسین، سبحان، لاہور۔ محمد
 35۔ ایون، محمد، علی، حسین، سبحان، لاہور۔ محمد



درج ذیل دیکھ گئے جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

- 1۔ مسعود محمد قرآن پا۔ سہ لون ست پار، سہ شہر ہنہ؟
 ا۔ 26 دس ii۔ 27 دس iii۔ 29 دس
 2۔ مندر شہزاد جھاگ، گس، چیر، سہ ہنہ ہنہ ہنہ؟
 ا۔ نباتات ii۔ نمک iii۔ معدنیات
- 3۔ ایون، نور، ایون۔ محمد، علی، حسین، سبحان، لاہور۔ محمد
 ا۔ فیصل احمد فیض ii۔ علامہ اقبال iii۔ صوبہ جالب
 4۔ محمد، علی، حسین، سبحان، لاہور۔ محمد
 ا۔ ان نینس ii۔ بڈ سنس iii۔ نین نینس
 5۔ علامہ اقبال کا شعر باغیہ داران شعر سے لیا گیا ہے؟
 ا۔ چلائے ورد کی عشق ہو روتی ہے آنکھ
 6۔ سنگاپور کے دار الحکومت کا کیا نام ہے؟
 ا۔ کولمبو ناان ii۔ سنگاپور iii۔ منتر ما
 7۔ کھنڈ کی کھنڈی نائیس ہوتی ہیں؟
 ا۔ 5 ii۔ 6 iii۔ 7
 8۔ برصغیر کا دریش داسم بادشاہ کسے کہا جاتا ہے؟
 ا۔ اورنگ زیب عالمگیر ii۔ اصرار الدین محمود iii۔ بہادر شاہ ظفر

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابراراجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	ممتاز مفتی
نگہت عبد اللہ	سباس گل	عنیزہ سید	مستنصر حسین
رضیہ بٹ	زُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم الحق
رفعت سراج	اُمِ ہریم	نایاب جیلانی	ایم اے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، ردا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسوسی ڈائجسٹ، سرگزشت ڈائجسٹ، نئے آفاق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

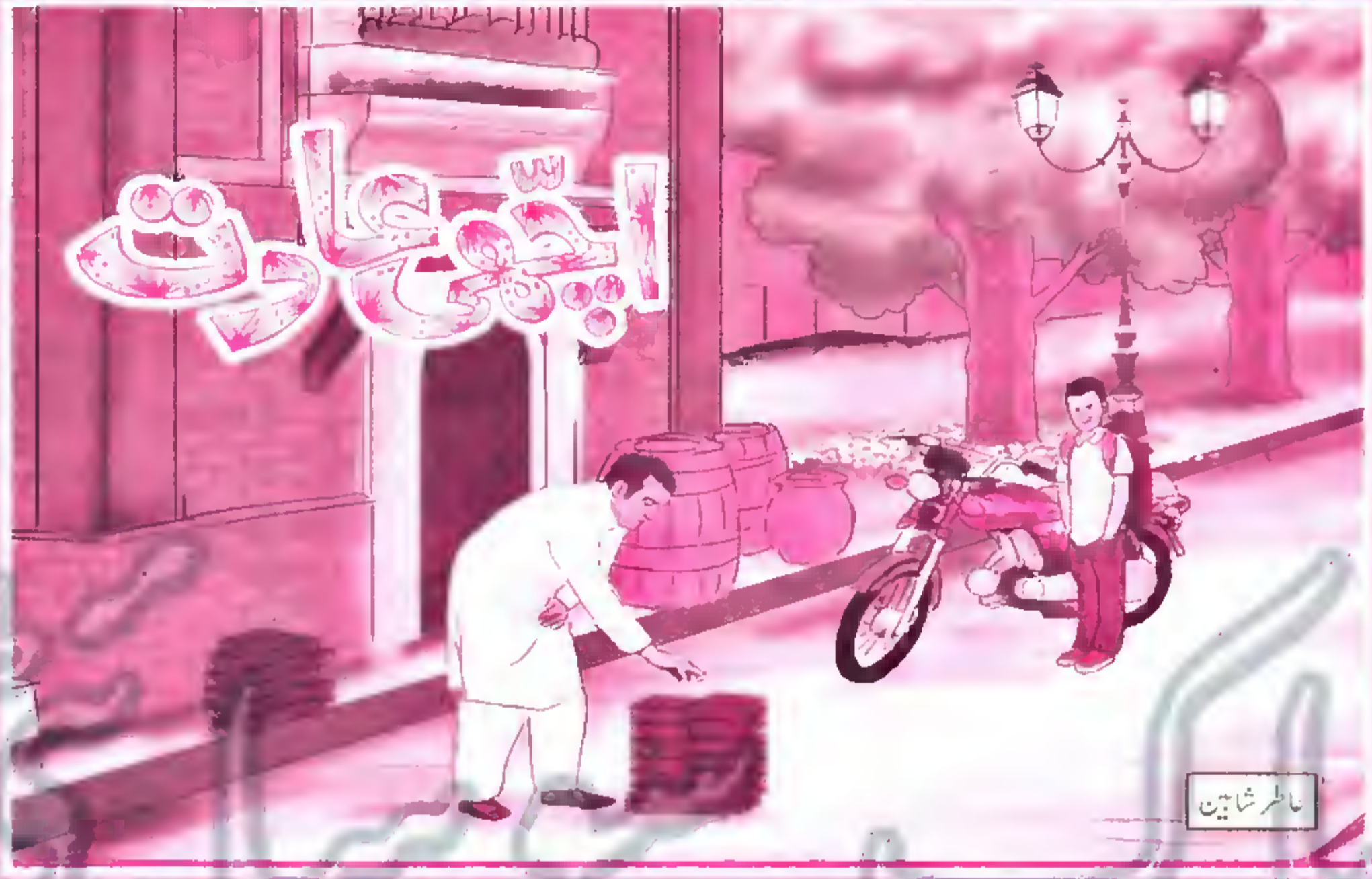
تمام مصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسوسی دنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔



ناصر شاہین

موٹر بائیک سینڈ پر کھڑی کی اور اتر کر اینٹوں کی طرف بڑھ گئے۔ انہوں نے ایک ایک اینٹ اٹھا کر ایک طرف رکھ دیں۔ اب سڑک صاف ہو گئی تھی۔ پھر وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے موٹر بائیک کی طرف بڑھ گئے۔ چند لمحوں کے بعد وہ ابرار کو ہنھائے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ ننھا ابرار گم صم یہ سوچ رہا تھا کہ اس کے ابو نے سڑک پر پڑی اینٹیں اٹھا کر سائڈ پر کیوں ڈال دی تھیں لیکن اس سوال کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

ننھا ابرار ایک حساس بچہ تھا۔ وہ اپنے والد شاہ نواز کو جو عمل کرتے دیکھتا تھا وہ بھی ویسا ہی کرتا تھا۔ اس کے والد بہت ہی اچھی خوبیوں کے مالک تھے۔ نہایت منسار، خوش اخلاق اور خدا ترس انسان تھے۔ وہ ایک ماہر مکینک تھے۔ شاہ نواز جہاں کہیں بھی سڑک پر یا گلیوں میں پتھر، شیشوں کے ٹوٹے گلاس، کیلے کے چھلکے، اینٹیں یا بروہ خطرناک چیز جس سے کسی کو نقصان پہنچ سکتا ہو، دیکھتا تو راستے سے بنا دیا کرتے تھے، چاہے وہ موٹر بائیک پر سوار ہوتے یا پیدل چل رہے ہوتے۔ یہ عمل کرتے ہوئے شاہ نواز کو کبھی شرمندگی محسوس نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ یہ چھوٹی چھوٹی نیکیاں کر کے

شاہ نواز اپنے بیٹے ابرار کو لیے بازار سے سبزی لینے جا رہے تھے۔ ایک گلی مڑتے ہی شاہ نواز کو گلی میں چند لڑکے کرکٹ کھیلتے ہوئے دکھائی دیئے۔ انہوں نے اینٹوں سے دکٹیں بنائی ہوئی تھیں۔ شاہ نواز نے موٹر بائیک دو لڑکوں کے قریب روک دی اور بولے۔

”بیٹا! کرکٹ کھیلنے کے بعد ان اینٹوں کو سائڈ پر رکھ دینا۔“

”ٹھیک ہے انکل۔“ ایک لڑکے نے جواب دیا۔

”بیٹا! بھول نہ جانا۔“ شاہ نواز نے کہا اور پھر وہ آگے بڑھ گئے۔ سبزی خریدنے کے بعد شاہ نواز اور ابرار اسی گلی سے گزرے تو گلی میں بچے موجود نہیں تھے، البتہ سڑک کے درمیان میں چند اینٹیں پڑی ہوئی تھیں۔ یہ وہ اینٹیں تھیں جن سے بچوں نے دکٹ بنائی تھی۔ بچوں نے چند اینٹیں تو ایک طرف رکھ دی تھیں لیکن چند اینٹیں وہاں ہی پڑی تھیں۔

شاہ نواز نے اینٹوں کے قریب پہنچ کر موٹر بائیک ایک سائڈ پر روک کر بند کر دی اور ننھے ابرار سے کہا۔

”بیٹا! نیچے اترو۔“

ابرار خاموشی سے موٹر بائیک سے نیچے اتر گیا تو شاہ نواز نے

رضوان ڈرائنگ روم میں بیٹھائی وی پر میچ دیکھنے میں مصروف تھا کہ اس کی امی نے آتے ہی اس سے کہا۔
 ”رضوان! بھائی کو ٹیوشن سنٹر چھوڑ آؤ۔“

رضوان کا اٹھنے کو دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے انکار کر دیا تو امی سے ڈانٹ پڑ جائے گی۔ وہ اٹھا اور اپنے بھائی عمران کو لیے گھر سے نکل کر اس کا ہاتھ پکڑے تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔ اس کے ذہن پر میچ دیکھنے کی دھن سوار تھی، اس لیے اس تیز رفتاری میں انہوں نے وہ نوکیلا پتھر نہ دیکھا جو سڑک پر پڑا ہوا تھا۔ عمران کا پاؤں زور سے اس نوکیلے پتھر سے ٹکرایا تو اس کے حلق سے دردناک چیخ نکل گئی اور وہ رضوان کا ہاتھ چھوڑ کر زمین پر بیٹھ گیا۔

”کیا ہوا؟“ رضوان نے پریشان ہو کر پوچھا مگر عمران جواب دینے کی بجائے اور زیادہ زور زور سے رونے لگا۔ رضوان نے دیکھا تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ عمران کے پاؤں کے انگوٹھے سے خون نکل رہا تھا اور اس سے چلنا بھی مشکل ہو گیا۔ رضوان نے عمران کو گود میں اٹھایا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا گھر آ گیا۔ امی نے جب عمران کے رونے کی آواز سنی تو وہ پریشانی کے عالم میں ان کے پاس پہنچیں اور عمران کو گود لے لیا۔

”کیا ہوا ہے عمران کو؟“
 ”امی! عمران کا پاؤں ایک پتھر سے ٹکرا گیا تھا جس کی وجہ سے اسے چوٹ لگ گئی ہے۔“ رضوان نے جواب دیا۔
 ”آپ کو دیکھ کر چلنا چاہیے تھا۔ مرہم پٹی لے آؤ۔“ امی نے عمران کا زخمی پاؤں دیکھتے ہوئے کہا تو رضوان مرہم پٹی لینے چلا گیا جبکہ امی نے عمران کو کرسی پر بٹھا دیا۔ رضوان مرہم پٹی لے آیا مگر دوائی لگانے کے باوجود خون رُک نہیں رہا تھا۔ انہیں اندازہ ہو گیا کہ زخم گہرا ہے اور ڈاکٹر کے پاس جانا پڑے گا۔ چنانچہ انہوں نے عمران کے زخم پر پٹی لپیٹی اور اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ ڈاکٹر نے زخم دیکھ کر کہا۔

”زخم گہرا ہے، ٹانگے لگانے پڑیں گے۔“
 ڈاکٹر نے عمران کے زخم پر ٹانگے لگا دینے اور پٹی باندھ دی۔ اس دوران رضوان نے اپنے ابو کو نجی فون کر دیا تھا جو فوراً ہی اسپتال

خوش ہوتے تھے۔
 گھر پہنچتے ہی ابرار کچن میں اپنی امی کے پاس چلا گیا۔
 ”امی۔“

”جی بیٹا۔“
 ”آج میں نے ایک عجیب بات دیکھی ہے؟“
 ”وہ کیا بیٹا! امی چوکیں۔“

”امی! ہم واپس گھر آ رہے تھے کہ ابو کو گلی میں اینٹیں پڑی دکھائی دیں تو انہوں نے سوٹر بانیک روک کر اینٹیں اٹھا کر ایک طرف رکھ دیں۔“ ننھے ابرار نے بتایا۔
 ”یہ تو بہت اچھی بات ہے بیٹا۔“
 ”امی! ابو نے ایسا کیوں کیا؟“ ننھے ابرار نے نیا سوال کیا۔

”بیٹا! آپ کے ابو نے سڑک پر پڑی اینٹیں اٹھا کر اس لیے سائیڈ پر رکھی تھیں تاکہ کوئی بچہ، بزرگ یا کوئی بھی ان سے ٹکرا کر زخمی نہ ہو جائے۔“ امی نے جواب دیتے ہوئے کہا تو ننھے ابرار نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
 ”امی! کیا ایسا کرنا اچھی بات ہے؟“ ابرار نے پوچھا۔

”ہاں بیٹا! یہ بہت ہی اچھا عمل ہے۔ اس سے نہ صرف نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوتے ہیں۔“ امی نے ابرار کو سمجھاتے ہوئے کہا تو ابرار نے بھی غم نہ کیا کہ وہ کہیں بھی گلی میں اینٹیں، پتھر دیکھے گا تو وہ انہیں اٹھا کر سائیڈ پر کر دے گا تاکہ ان کی وجہ سے کسی کو کوئی نقصان نہ ہو۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ابرار بھی بڑا ہوتا چلا گیا۔ اب اس کی عمر گیارہ سال ہو گئی تھی۔ اس نے بھی اپنے ابو کی اچھی عادت اپنائی تھی۔ وہ سڑک پر اور گلیوں میں کہیں بھی پتھر، اینٹیں اور کیلے کے پھلکے پڑے دیکھتا تو انہیں اٹھا کر سائیڈ پر ڈال دیتا تھا۔ اس کا دوست رضوان تو اسے یہی کہتا تھا کہ تم پڑھنے کے بعد سوپر ہی بھرتی ہو جانا لیکن ابرار نے کبھی اس کی بات کا برا نہیں مانا تھا بلکہ وہ اسے بھی سمجھاتا تھا کہ وہ بھی ان چھوٹی چھوٹی نیکیوں کو نظر انداز نہ کیا کرے اور اسے بھی جہاں کہیں پتھر، کیلے کے پھلکے اور اینٹیں پڑی نظر آئیں تو وہ انہیں سائیڈ پر کر دیا کرے لیکن رضوان اس کی بات مذاق میں ٹال دیتا تھا۔

☆☆☆

پہنچ گئے تھے۔ گھر آنے کے بعد انہوں نے رضوان سے پوچھا۔

”رضوان! عمران کو یہ چوٹ کیسے لگی؟“

رضوان نے ابو کو بھی ہتی بتایا جو اس نے اپنی امی کو بتایا تھا۔ اس کے چہرے پر شرمندگی کے تاثرات ابھرے ہوئے تھے اور وہ خود کو عمران کی پوٹ کا ذمہ دار سمجھ رہا تھا۔

”اُدیکھو، رضوان بیٹا! حضور اکرم ﷺ کی پوری زندگی ہمارے لیے نمونہ ہے۔ ان کے ہر عمل سے ہمیں سبق ملتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر راستے میں کوئی ایسی چیز پڑی دیکھو جس سے کسی کو تکلیف

پہنچنے کا امکان ہو تو اس کو اس جگہ سے بنا دو۔ گو کہ یہ نیکیاں چھوٹی چھوٹی ہیں مگر ان کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہے۔“

ابو کی بات سن کر رضوان کو اپنا ذمہ سہارا یاد آ گیا۔ ابرار بھی تو ایسا ہی کرتا تھا وہ بھی راستے میں پڑی چیزیں بنا دیتا تھا۔ رضوان کو دل ہی دل میں بہت شرمندگی ہو رہی تھی کہ وہ ابرار کے عمل کا مذاق اڑاتا رہا تھا۔ اسے یاد آ رہا تھا کہ اس نے اپنے ابو کو بھی کئی مرتبہ ہڑک پر سے تکلیف دہ چیزیں اٹھا کر ایک طرف رکھتے ہوئے دیکھا تھا مگر اس نے کبھی اس پر توجہ نہیں دی تھی لیکن آج اپنے بھائی کے زخمی ہونے پر وہ بہت کچھ سیکھ چکا تھا۔ اسی لمحے اس نے خود سے عہد کر لیا کہ وہ بھی ابرار کی طرح نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے گا۔



اگلے دن ابرار اور رضوان اپنی اپنی سائیکلوں پر سوار ہو کر گھر کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ دونوں ایک ہی کالونی میں رہتے تھے مگر دونوں کے گھر الگ الگ بلاک میں تھے۔ اسکول تو وہ دونوں اکٹھے نہیں جاتے تھے مگر چھٹی کے وقت وہ دونوں اکٹھے ہی اپنے اپنے گھروں کو جاتے تھے۔

رضوان نے ابرار کو کل کا واقعہ بھی بتایا اور عہد کیا کہ وہ بھی آئندہ ان چھوٹی چھوٹی مگر اہم باتوں پر عمل ضرور کرے گا۔ ابرار کے چہرے پر خوش گوار حیرت کے تاثرات ابھر آئے۔ وہ دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا کہ دیر آید درست آید کے مصداق رضوان بھی اچھی عادتوں کو اپنا رہا تھا۔

☆☆☆

آئیے مُسکرائیے



ایک آدمی نمودار ہوا۔ ان میں سے ایک نے پوچھا:
”میں نے سنا ہے، یہاں بھوت رہتے ہیں۔“
”مجھے کیا معلوم، مجھے تو مرے ہوئے خود دس سال ہو گئے ہیں۔“
اس آدمی نے جواب دیا اور غائب ہو گیا۔ (ابرار الحق، راجہ جنگ)
ظلمہ کے بھائی نے چیختے ہوئے اس سے کہا:
”ظلمہ! اگر تم نے یہ باجا بجانا بند نہ کیا تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔“
ظلمہ بولا: ”مجھے لگتا ہے تم ہو چکے ہو، میں نے تو آدھا گھنٹہ پہلے باجا
بجانا بند کر دیا تھا۔“

☆☆☆

ایک بے وقوف: ”تم ہر کسی کو یہ کیوں بتاتے رہتے ہو کہ میں بے
وقوف ہوں؟“

دوسرا آدمی: ”معاف کرنا، میں نہیں جانتا تھا کہ یہ راز کی بات ہے!“
(عبدالمنہ ایوب، جہلم)

علی: ”ابو! کل تم امیر ہو جائیں گے۔“

ابو: ”وہ کیسے؟“

علی: ”کل ہمارے حساب کے ماسٹر صاحب پیسوں کے روپے
بنانے کا طریقہ بتائیں گے۔“

☆☆☆

”دو ہم شکل بڑواں بھائی ایک کمرے میں بیٹھے تھے۔ ایک رو رہا
تھا، دوسرا بنس رہا تھا۔ باپ نے اندر آ کر پوچھا: ”بچو! کیا ہوا؟“
بننے والے بھائی نے رونے والے کی طرف اشارہ کیا: ”آج امی
نے دونوں مرتبہ آصف کو ہی نہلا دیا ہے۔“ (خمن، بھلوال)
ایک پڑوسن نے دوسری سے ایک کتاب پڑھنے کے لیے مانگی۔
دوسری پڑوسن نے کہا: ”بہن میں کتاب نہیں دیتی ہوں، جب تک
آپ کا جی چاہے، یہیں بیٹھ کر پڑھ لیں۔“
چند دن بعد دوسری پڑوسن پہلی کے گھر چھاڑ دیا تاکہ گئی تو پہلی نے
کہا: ”بہن! میں کسی کو چھاڑ نہیں دیتی، آپ کو جتنی چھاڑ دینی
ہے، یہاں میرے گھر میں دے دیں۔“

☆☆☆

باپ نے بیٹے سے پوچھا: ”تم نے ماچس کی تیلیاں چیک کر لیں تھیں۔“
بیٹا: ”جی، میں نے ساری تیلیاں جا کر چیک کر لیں تھیں۔“

(مونس نامہ مجازی، لاہور)

تین دوست امتحان دینے کے بعد امتحانی مرکز سے باہر آئے۔
پہلا دوست: ”مجھے کچھ نہیں آتا تھا، پیر خالی چھوڑ آیا ہوں۔“

دوسرا دوست: ”میں بھی خالی چھوڑ آیا ہوں۔“

تیسرا دوست: ”میں بھی، اب ٹیچر کو لگے گا ہم تینوں نے نقل کی تھی۔“

☆☆☆

بہن: ”بھائی! یہ دروازے پر گندے ہاتھوں کے نشان تمہارے ہیں؟“

بھائی: ”جی نہیں! میں تو لات مار کر دروازہ کھولتا ہوں۔“

(نندن سجاد، جھنگ صدر)

استاد (شاگرد سے): ”سیب کو گلنے سڑنے سے بچانے کے لیے کیا
کرنا چاہیے۔“

شاگرد: ”کھا لینا چاہیے۔“
(حذیفہ اعظمی، فیصل آباد)

ایک ڈاکٹر (دوسرے سے): ”تمہارا مریض صحت یاب ہو گیا ہے،
اب تم اس قدر کیوں پریشان ہو؟“

دوسرا ڈاکٹر: ”دراصل پریشانی اس بات کی ہے کہ اب تک یہ پتہ نہ
چل سکا کہ وہ کس دوا سے صحت یاب ہوا ہے۔“

(مریم خالد، گوجرانوالہ)

دو دوست ایک پڑانے مکان کے سامنے سے گزرے۔

ایک دوست نے کہا: ”میں نے سنا ہے کہ اس گھر میں بھوت
رہتے ہیں؟“

دوسرے دوست نے کہا: ”جلو دیکھ لیتے ہیں۔“ اور دروازہ کھٹکھٹایا گیا تو



ناگھراشی، فیصل آباد

کاش! میں پرندہ ہوتی.....

”ماما! پرندے کتنے خوش قسمت ہیں نا۔ مزے مزے سے ہواؤں میں اڑتے ہیں۔“ شفاء پرندوں کو ہوا میں اڑتا دیکھ کر ہمیشہ حسرت سے شمسہ خاتون سے گویا ہوتی۔ وہ بھی ایک شام تھی جب وہ نیلے آسمان پر پرندوں کو دیکھ کر بولی تھی۔

”کاش میں بھی پرندہ ہوتی۔“

شمسہ خاتون مسکرا دیں اور کچھ سوچ کر اسے پاس بلایا۔ دروازے پر کھنسی بجی۔ قاری صاحب شفاء کو پڑھانے کے لیے تشریف لا چکے تھے۔ ”شاباش بیٹا، جا کر سبق پڑھو اور رات کو جب ڈائری لکھو تو اس میں لکھنا اگر میں پرندہ ہوتی تو؟“

سبق کے بعد شفاء ڈائری اور پین سنبھال کر بیٹھ گئی۔ وہ چوتھی جماعت کی طالبہ تھی۔ ڈائری میں اس طرح کی باتیں لکھنے کا تو اسے کبھی خیال ہی نہیں آیا تھا۔ وہ تو بس یہی لکھا کرتی تھی کہ آج کس خدیجہ نے مجھے سار دیا، کس ناملہ نے مجھے ذائقہ، فلاں دوست کو سبق نہیں آیا، فلاں نے کھیل میں دھاندلی کی وغیرہ وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ آج وہ کچھ مختلف لکھنے کے لیے بڑی پُر جوش تھی۔

گلابی رنگ کے صفحات والی ڈائری جس کے ہر ورق پر چھوٹے چھوٹے گلاب کے پھول جا بجا بنے ہوئے تھے اور سنبھرنے کا خوب صورت سا پین اسے نواز کے ماسوں نے نسا لگرہ پر گفٹ کیا تھا۔ قلم تھامے میز پر بیٹھی لکھائی میں وہ لکھ رہی تھی۔

”اگر میں پرندہ ہوتی۔“

یہ تو ہو گیا عنوان! اب سوال یہ تھا کہ وہ کون سا پرندہ ہے؟

فاختہ، چڑیا یا کوا..... اونہوں! میں تو طوطا ہوں گی۔

اب شفاء نے کچھ یوں لکھنا شروع کیا کہ اگر میں طوطا ہوتی تو

اور سبز پروں والا طوطا تو میں پھولوں والے باغ میں رہتی، وہی جو اسکول کے راستے میں آتا ہے۔ وہاں پیارے پیارے پھولوں پر بیٹھا کرتی۔ درختوں پر اچھلتی کودتی۔ تیلیں کو میں اپنی پکی والی سہیلیاں بناتی کیوں کہ مجھے تیلیاں بہت پسند ہیں۔ پھر ہم گھنٹوں پکڑن پکڑائی کھیلا کرتے۔ وہاں تزیانہ، ناختہ، مینا بھی ہوتیں، میں ان کو بھی دوست بناتی۔ کوءے سے تو میں پکی پکی کئی کئی کر لیتی۔ گندا بچہ نہ ہو تو! ہاں..... یاد آیا، کبوتر بھی تو ہوتا وہاں۔ اُف! ایک تو مجھے سارے پرندوں کے نام بھی یاد نہیں۔ چلو، کوئی بات نہیں اتنے دوست ہی کافی ہیں۔

میں، چڑیا، کبوتر، فاختہ اور بیٹا بیٹا سوریرے کھانا کھا کر آسمانوں کی سیر کو نکل جاؤں کرتے۔ تیلیں چھوٹی ہوتی ہے نا، اس لیے میں اسے اپنے پردوں پر بٹھا لیتی۔ پھر ہم آسمان میں دوڑیں لگایا کرتے اور شرط یہ رکھتے کہ جو بازوں کو پہلے ہاتھ لگائے گا، وہ جیت جائے گا۔ اُف! میں بھی پاگل ہی ہوں، پرندوں کے ہاتھ کدھر سے آنے بھلا، چلو جو پہلے چونچ نکالتا، وہ جیت جاتا اور جو ہار جاتا وہ واپسی پر پاتیسوں کو پھیل کر دیتا۔ جب میں آسمانوں میں اڑتی تو اتنا مزا آتا۔ وہاں سب میں اپنا گھر بھی دیکھتی، ماما پاپا اور بہن بھائیوں کو اوپر سے ہی ٹائے ٹائے کرتی۔ ہائے اللہ! سورج سے میں پوچھتی کہ اس کی روشنی اتنی تیز کیوں ہے کہ جب بھی میں اس کی طرف دیکھتی ہوں آنکھوں میں پانی آجاتا ہے۔ اڑتے اڑتے میں جہاز کی کھڑکی سے اندر جھانکتی اور جہاز کے مسافروں کو ”میاں مشو چوری کھائے گا“ کہہ کر پھڑ سے اڑ جاتی۔

میرے اپنے سب دوستوں کو انسانوں کی زبان بول کر دکھاتی۔ ”میاں مشو چوری کھائی ہے۔“ شفاء خوشی سے سرشار لکھتی جا رہی تھی۔ پورا دن ہم کھیلتے، اچھلتے، کودتے اور میں اپنے سب دوستوں کو اپنی سرینی آواز میں گانا بھی سناتی۔

پھر شام کو ہم سب اپنے اپنے گھونسلوں میں جا کر سو جاتے۔ میرا گھونسلو تو امرود کے درخت پر ہوتا اور میں ڈھیر سارے امرود کھاتی لیکن رات کو مجھے لورنی کون سناتا اور مجھے ماما پاپا کے بغیر نیند کیسے آتی۔ پھر مجھے بہت رونا آتا۔ نہیں! میں انسان ہی ٹھیک ہوں اور ہاں! اگر کوئی بچہ مجھے پکڑ کر پتھرے میں بند کر دیتا تو میرے ماما پاپا تو مجھے ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک جاتے۔ نہیں، میں انسان ہی ٹھیک ہوں۔ اتنا لکھ کر شفاء نے ڈائری بند کی اور پین ڈائری کے اوپر رکھ دیا۔

ابھی تو اسے یہ مانا کو بھی دکھانا تھا۔ پہلا انعام: 195 روپے کی کتب

تعلیم ایک زیور ہے

عاطف حسین شاہ، چکوال

اسد جب کرکٹ میچ کھیل کر بانپتا ہوا اپنے گھر میں داخل ہوا تو سیدھا اپنے بستر پر گر پڑا۔ وہ فوراً نیند کی وادی میں کھو جانا چاہتا تھا مگر نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ سکون محسوس کر پاتا، اسے کسی نے جھنجھوڑ ڈالا۔ یہ اسد کی امی تھی جو خاصی غصے میں نظر آ رہی تھی۔ ”آوارہ گردی کر کے گھر لوٹے ہو اور آتے ہی بستر پکڑ لیا ہے۔ امتحان سر پر ہیں اور تمہیں نہ تو وقت کی پروا ہے اور نہ پڑھائی کی.....!“ اسد ہڑبڑاتے ہوئے اٹھا اور غصے سے بولا۔ ”سب کو مجھ میں ہی نقص نظر آتا ہے، جب دیکھو ڈانٹ پھٹکار اور پڑھائی پڑھائی کا رونا..... پڑھائی کا کوئی فائدہ بھی تو ہو.....!“ امی تو سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ دادیلاسن کر اسد کی بڑی بہن حاجزہ بھی وہاں آگئی۔ حاجزہ اسد کی تعلیمی کارکردگی سے واقف تھی جو کہ تنزیلی کا شکار تھی۔ حاجزہ جانتی تھی کہ تعلیمی نمو کے لیے اسکول کے ساتھ گھر والوں کی طرف سے جانچ پڑتال از حد ضروری ہے۔

اسد ہم جماعت کا طالب علم تھا۔ گزشتہ جماعتوں میں امتیازی نمبروں سے پاس ہو کر اس مقام تک پہنچا تھا اور اب اس کا دل پڑھائی سے اچاٹ ہو رہا تھا..... حاجزہ نے بنا کسی سرزنش کے اسد کو دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع دیا تاکہ اصل مدعا معلوم ہو سکے۔ ”میرے بھائی کو پڑھائی کے نام سے کب سے الرجی ہونے لگی؟“ حاجزہ کے لہجے میں شفقت تھی۔

”دیکھیں ناں آپ، ہمارے ارد گرد کتنے لوگ ڈگریوں کا انبار لیے روزگار کے لیے ایڑیاں رگڑ رہے ہیں..... انہیں اس تعلیم نے در بدر کی ٹھوکروں کے سوا دیا ہی کیا ہے؟ ان پڑھ لوگ لاکھوں میں کھیل رہے ہیں.....“ اسد کے لہجے میں مایوسی تھی۔ حاجزہ کو دلی صدمہ پہنچا کہ اس کا بھائی علم کو دولت کے ترازو میں تول رہا تھا مگر وہ تحمل سے گویا ہوئی۔ ”میرے بھائی علم تو آگئی کے دروازے کھولتا ہے۔ یہ تو ہماری کم عقلی ہے کہ ہم ذریعہ معاش کا انحصار تعلیم پر کر بیٹھے ہیں۔ رزق کے فیصلے اللہ کے ہاتھ میں ہیں، انسان کے ذمہ محنت اور جستجو ہے جسے آج کا نوجوان عار سمجھے بیٹھا ہے!“ ”آپ ٹھیک کہتی ہیں مگر مجھے کرکٹ کا بہن سے اور میں اس میں آگے

جانا چاہتا ہوں۔“ اسد نے اپنا موقف بیان کیا۔ ”تو کس نے روکا ہے؟ اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے دل سے محنت کرو مگر تعلیم..... اب تمہیں کیسے سمجھاؤں.....!“ حاجزہ کوئی دلیل تلاش کر رہی تھی۔ اتنے میں ابو جان گھر کے اندر داخل ہوئے..... ان کے احترام میں دونوں بہن بھائی اٹھ کھڑے ہوئے۔

”حاجزہ بیٹا..... مجھے ذرا حساب لگا کر بتاؤ کہ اتنی روپے کے حساب سے چھبیس کلو دودھ کے کتنے روپے بنیں گے؟“ اسد کے ابو دودھ فروش تھے۔ وہ ان پڑھ تھے، شاید اسی لیے انہیں تعلیم کی اہمیت کا احساس تھا۔ وہ اپنے بچوں کو اچھی تعلیم دلوانے کے لیے دن رات محنت کر رہے تھے۔ حاجزہ نے پل بھر میں حساب لگا کر دودھ کی کل قیمت بتا دی۔ وہ دعا دیتے گھر سے باہر چلے گئے۔ اسد کو کوئی دلیل دینے کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی، وہ تو بھونچکا رہ گیا تھا۔ ”کچھ سمجھے.....؟“ حاجزہ مسکرائی۔

”باں آپی..... سمجھ گیا..... اچھی طرح سمجھ گیا.....“ حاجزہ کے چہرے پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ اگلے ہی پل اسد اپنا بستہ لیے حاجزہ کے پاس بیٹھ چکا تھا اور ماں کے چہرے پر چمکتے آنسو دکھائی دے رہے تھے جو یقیناً خوشی کے آنسو تھے۔ شاید اس وجہ سے بھی کہ اسد کو گھر سے ہی بدایت مل چکی تھی۔ دوسرا انعام: 175 روپے کی کتب

سولہویں صدی کا آدمی

مائٹھ ایس، کراچی

وہ سڑک کنارے کھڑا حیرت زدہ نگاہوں سے اپنے ارد گرد کے ماحول کو دیکھ رہا تھا۔ اسے سڑک پر انسانوں کے ساتھ ساتھ کچھ عجیب سی چیزیں بھی آگے پیچھے دوڑتی دکھائی دے رہی تھیں۔ اس نے غور کیا تو ان چیزوں میں بیٹھے انسان بھی اسے نظر آ گئے۔ وہ حیرت سے سوچنے لگا کہ یہ کیا بلائیں ہیں جو اپنے اندر انسانوں کو بیٹھا کرتی تیزی سے دوڑی چلی جا رہی ہیں۔

اچانک فضا میں ایک شور سا گونجا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو ایک بہت بڑا پرندہ (ہوائی جہاز) اپنے پُر پھیلائے آسمان پر پرواز کرتا دکھائی دیا۔ وہ ایک بار پھر حسرت کے سمندر میں غرق ہو گیا۔ وہ کافی دیر تک سڑک کے کنارے پر کھڑا رہا۔ پھر اسے بھوک محسوس ہوئی تو ایک جانب کو چل پڑا۔ وہ سڑک پر چلا جا رہا تھا کہ کھانوں کی خوشبوؤں نے اسے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ یہ خوشبوئیں ایک ہوٹل سے آرہی تھیں۔ وہ بے اختیار اس ہوٹل کی جانب بڑھ

بول کر چلے گئے تھے۔

وہ بھی ان ہی سوچوں میں غلطاں کھڑا تھا کہ اسے ایک بہت تیز آواز سنائی دی۔ اس نے گھبرا کر آواز کی سمت دیکھا۔ وہاں انیس سڑکوں پر دوڑتی ٹیب و غریب چیزوں میں سے ایک چیز دکھائی دی جس کی ایک آدمی کے ساتھ لکر ہو گئی تھی جس کے نتیجے میں وہ آوی زمین پر زخمی پڑا کراہ رہا تھا۔ ٹیب بات یہ تھی کہ اس کے پاس کھڑے لوگوں میں سے کوئی اس کی مدد کے لیے آگے نہ بڑھ رہا تھا۔ سب بے حسی سے کھڑے رُخی کے تڑپنے کا تماشا دیکھ رہے تھے۔

اس کا خیال دوبارہ اپنے گاؤں کی طرف چلا گیا جہاں اگر کسی کو ذرا سی چوٹ بھی لگ جاتی تو اس کی عیادت کے لیے پورا گاؤں جمع ہو جاتا تھا جب کہ یہاں تو کسی کو کسی کی پرواہ ہی نہیں تھی۔

”یہ اکیسویں صدی کا زمانہ ہے۔“ کچھ لوگ اس کے قریب سے باتیں کرتے گزر رہے تھے۔ جب ان کے یہ الفاظ اس کے کانوں میں پڑے تو اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ یعنی وہ اپنے زمانے سے تقریباً پانچ سو سال آگے آچکا تھا۔ وہ سولہویں صدی کا آدمی تھا اور اکیسویں صدی میں بھٹک رہا تھا۔

”اکیسویں صدی بلاشبہ بہت ہی تبدیلیوں کی حامل ہے لیکن میرے نزدیک میرا اپنا سولہویں صدی کا زمانہ ہی پسندیدہ ہے کیوں کہ وہاں کم از کم اکیسویں صدی کی بے حسی و بے مروتی اور دوسری اخلاقی بُرائیاں تو موجود نہیں ہیں۔“ وہ یہ بڑبڑا رہا تھا کہ اچانک روشنی کا ایک جھمکا ہوا اور سولہویں صدی کا آدمی واپس اپنی سولہویں صدی میں جا پہنچا۔ تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب

حذیفہ اظہر، فیصل آباد

قصہ ایک گدھے کا

میں ایک گدھا ہوں لیکن میں ذرا مختلف گدھا ہوں۔ سب گدھے چار ٹانگوں کے ہوتے ہیں لیکن میں تین ٹانگوں والا گدھا ہوں۔ اب آپ سب حیران ہو رہے ہوں گے کہ میری ایک ٹانگ کہاں گئی۔ چلیں میں آپ کو اپنا قصہ سناتا ہوں۔

میں ایک کبھار کے گھر میں پیدا ہوا۔ میرے اما اور ابامشی کے برتن بنایا کرتے تھے۔ میں ان کا چبیتا اور لاڈلا بیٹا تھا۔ جب میں کچھ بڑا ہوا تو کام میں ان کا ہاتھ بنانے لگا۔ کبھار کے حالات کچھ اچھے نہ تھے۔ اس کے بیٹے نے پانی کی سپلائی کا کام شروع کر لیا۔ اس نے خوب صورت سا ریڑھا بنایا جس پر وہ پانی کے کین رکھ کر گھروں میں پانی سپلائی کرتا تھا۔ اس نے مجھے اس ریڑھے

گیا لیکن دروازے پر موجود دربان نے اسے اندر گھسنے نہ دیا اور فقیر سمجھ کر دھتکار دیا۔

وہ سوچنے لگا کہ یہ لوگ تو بہت عجیب ہیں۔ ایک مسافر کو کھانا کھلانے کے بجائے دھتکار دیتے ہیں۔ اس کے گاؤں میں تو لوگ مسافروں کی اتنی خدمت کرتے ہیں کہ مسافر کے گاؤں میں داخل ہوتے ہی ہر شخص اس کو اپنا مہمان بنانے پر تل جاتا ہے۔ اپنے گاؤں کا خیال آتے ہی اس کا ذہن یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ وہ اس انجان جگہ پر کیسے آ گیا؟

وہ اسے سولہویں صدی کی ایک قدیم تجربہ گاہ کے اندر چلا گیا جہاں ایک سائنس دان ایک آدمی پر مختلف تجربات کر رہا تھا۔ ان تجربات کے دوران اچانک روشنی کا ایک جھمکا ہوا اور وہ شخص غائب ہو گیا۔ وہ تجربہ گاہ سے تو غائب ہو گیا تھا لیکن اس سڑک پر آن حاضر ہوا تھا اور اس انجان جگہ پر کھڑا حیرت اور پریشانی کے عالم میں غرق تھا۔

”آفتاب! اس بوڑھے آدمی کو تو دیکھو۔ ایسا لگ رہا ہے کہ تاریخ کی قدیم کتابوں سے کوئی کردار اُٹھ کر سامنے آ گیا ہے۔“ خالد نے آفتاب کو ٹھوکا دیتے ہوئے کہا۔ ”ہاں، تم صحیح کہہ رہے ہو۔ اس کا حلیہ تو ایسا ہی ہے جیسا تاریخ کی کتابوں میں بیان کیا جاتا ہے۔“ آفتاب نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ ”چلو ہم اس سے ایک ملاقات کرتے ہیں تاکہ پتا تو چلے کہ یہ کون ہے؟ کیا واقعی تاریخ کی کتابوں کی کوئی زندہ تصویر ہے؟“

”باباجی! آپ کون ہیں؟“ اس نے نظریں اٹھائیں تو سامنے اس کے ہم عمر وہ لڑکے کھڑے دکھائی دیئے۔ وہ حیرت سے سوچنے لگا کہ یہ لوگ مجھے بوڑھا آدمی کیوں سمجھ رہے ہیں، حالانکہ یہ تو تقریباً میرے ہی ہم عمر ہیں۔ اچانک اس کی نظر اپنی داڑھی پر پڑی جو بالکل سفید نظر آرہی تھی۔ ”تو کیا میں بوڑھا ہو چکا ہوں؟“ اس سوچ نے اس کے دماغ کو بلا کر رکھ دیا۔ اب اسے سمجھ میں آیا کہ یہ لڑکے اسے باباجی کیوں کہہ رہے تھے۔

وہ دونوں اس کے بارے میں جاننا چاہ رہے تھے لیکن اس نے انہیں کوئی جواب نہ دیا تو وہ تنگ آ کر اسے ”یاگل“ کا لقب دے کر چلے گئے۔ اسے فوراً اپنا گاؤں یاد آ گیا جہاں بزرگوں کی اتنی تعظیم کی جاتی تھی کہ ان کے سامنے بات کرتے ہوئے نظریں تک نہ اٹھائی جاتی تھیں اور یہ لڑکے اس کے سامنے ہی اسے یاگل

میں جوت لیا تھا۔ میں اپنے مالک کی خدمت کر کے بہت خوش ہوتا تھا۔ ہم صبح بچوں کے ایک اسکول میں بھی پانی کے کین دیا کرتے تھے۔ مجھے بچے بہت پسند تھے۔ ہنستے مسکراتے بچوں کو دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہو جاتا تھا۔

ایک دن صبح صبح ہم پانی کے کین ادا کر اسکول کی جانب بڑھے تو ایک ویران سڑک پر کچھ لوگوں نے ہمیں روک لیا۔ انہوں نے بڑی تیزی سے میرے مالک کو باندھ لیا اور پانی کے تین کین میرے ریز سے اتار کر اپنی گاڑی سے تین کین اتار کر میرے ریز سے پر رکھ دیئے۔ مجھے ان کی باتوں سے پتا چلا کہ وہ لوگ دہشت گرد ہیں اور انہوں نے ان کینوں میں بڑے بڑے بم چھپا رکھے ہیں۔ ایک شخص نے میرے مالک کا بھیس بدلا اور مجھے لے کر اسکول کی طرف بڑھ گیا۔ میرا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے تباہی کے مناظر گھومنے لگے اور میرا دل پریشان ہو گیا۔ میں نے سوچا شاید گیٹ پر اسکول کا چوکی دار ہمیں روک لے لیکن جب ہم اسکول پہنچے تو ہم پر کوئی توجہ نہ دی گئی۔

اس شخص نے وہ کین اس گارڈن میں جہاں بچوں کی آسپل ہوتی ہے، اس کے پاس اتار دیئے۔ میں نے سوچا کہ اب بھی میں نے کچھ نہ کیا تو میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہ کر سکوں گا۔ میں نے ایک دم نہ صرف شور مچانا شروع کر دیا بلکہ کین کو بھی زور زور سے ٹھوکر مارنی شروع کر دیں۔ میرے شور مچانے اور کینوں کو ٹھوکر مارنے کی وجہ سے وہ دہشت گرد جو میرا مالک بنا بیٹھا تھا، گھبرا گیا۔ اس وقت اسکول میں بچے نہیں آئے تھے۔ میں غصے سے بے قابو ہو رہا تھا، میرا شور سن کر تمام سیکورٹی گارڈز وہاں اکٹھے ہو گئے۔ ایک سیکورٹی گارڈ نے کہا، یہ گدھا پاگل ہو گیا ہے، اسے گولی مار دینی چاہیے۔ اس نے میرے اوپر گولی چلا دی۔ آہ! گولی سیدھی میری ٹانگ میں لگی اور میری پچھلی ٹانگ کے پرچھے اڑ گئے۔ میرا غصہ اس طرح سے کم ہونے والا نہ تھا مگر آج میں نے اپنی جان پر کھیل جانے کا عہد کیا ہوا تھا۔ وہ مجھے قابو کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک گارڈ بولا، کین اٹھا کر دور کر دیتے ہیں تاکہ پانی ضائع نہ ہو۔ جب اس نے کین اٹھانے کی کوشش کی تو اسے احساس ہوا کہ اس میں پانی نہیں کچھ اور ہے۔ جب اس نے

کین کا ڈھکن اتار کر اندر جھانکا تو اسے بارود صاف نظر آ گیا۔ وہ فوراً ہی ساری بات کی تہہ تک پہنچ گیا۔ اس نے چلا کر اپنے ساتھیوں سے کہا، یہ شخص دہشت گرد ہے، جانے نہ پائے۔

دیکھتے دیکھتے ہی وہاں پولیس اور فوج کے جوان پہنچ گئے۔ انہوں نے سارا اسکول گھیرے میں لے لیا۔ پولیس نے دہشت گردوں کے سارے ساتھی پکڑ لیے گئے۔ میرا مالک آزاد ہو گیا۔ میں زخمی تھا مگر بے حد خوش۔

تو بچوں میں ایک گدھا ہوں سب گدھے چار ٹانگوں والے ہوتے ہیں مگر میں تین ٹانگوں والا ہوں اور ہاں! یاد آیا، میں اب اسکول میں ہی رہتا ہوں۔ یہاں بچے مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں اور میں بھی ان سے پیار کرتا ہوں۔ چوتھا انعام: 1.15 روپے کی کتب

ناشکر

”امی کیا ہے، آج پھر بیٹنگن؟ میں تنگ آ گیا ہوں روز روز بیٹنگن کھا کھا کے۔“ دانیال نے کہا اور اٹھ کر باہر چلا گیا۔ اس کی امی برتن سمیٹنے لگی۔

دانیال ایک متوسط گھرانے کا لڑکا تھا مگر وہ چاہتا تھا کہ اس کے دسترخوان پر روزانہ نئی نئی کھانے کی چیزیں ہوں۔

اس کی امی کو دانیال کی اس خواہش کا پتا تھا لیکن وہ بھی کیا کرتی، اگر ان کے پاس اتنے پیسے ہوتے تو وہ ضرور اپنے بیٹے کو روز نت نئے پکوان بنا کر کھلاتی۔ ویسے تو دانیال میں کوئی بُرائی نہیں تھی، اچھی طبیعت کا مالک تھا، سوائے اس بُرائی کہ وہ ہر وقت کھانے میں خرابی نکالتا رہتا تھا اور اپنی قسمت کو بُرا سمجھتا تھا۔

ایک دن دوپہر کو جب دانیال اسکول سے واپس گھر آ رہا تھا تب اس نے دیکھا کہ ایک لڑکا کوزے کے ڈرم میں سے کچھ تلاش کر رہا تھا۔ دانیال حیران ہوا کہ اتنی گرمی میں یہ لڑکا دھوپ کی پرواہ کئے بغیر ڈرم سے ایسا کیا تلاش کر رہا ہے؟ دانیال نے ہمت کر کے اس لڑکے سے پوچھا کہ وہ کیا ڈھونڈ رہا ہے؟

لڑکے نے نظریں جھکا کر کہا کہ مجھے میرے مالک نے نوکری سے نکال دیا ہے، دو دن سے کچھ نہیں کھایا۔ وہاں ڈھابے پر لوگوں کا بچا کھچا کھانا مل جاتا تھا تو پیٹ بھر جاتا تھا اور مجھے کوئی پریشانی نہیں ہوتی تھی۔ خدا کا شکر تھا، دو وقت کی روٹی مل جاتی تھی۔ بھیک مانگنا مجھے اچھا نہیں لگتا، اس لئے کاکر کے (بقیہ صفحہ نمبر 32 پر)

کی دعوت دی۔ قائد اعظم نے چوہدری غلام عباس سے مشورہ کیا۔ جب انہوں نے بھی اس دعوت کی تائید کی تو آپ 8 مئی کو سیالکوٹ سے جموں تشریف لے گئے۔ نیشنل کانفرنس نے بڑے جلوس کے ساتھ آپ کا استقبال کیا اور کئی من پھول راستے میں نچھاور کیے گئے۔ آپ نے جموں میں ایک جلسہ سے خطاب کیا اور دوسرے دن سری نگر کے لیے روانہ ہو گئے۔ 60 میل کے سفر میں راستے میں عوام کا ہجوم آپ کے استقبال کے لیے موجود تھا۔ کشمیری روایات کے مطابق کشمیری نعموں اور نعروں کی گونج میں آپ کا استقبال کیا گیا۔ وہاں سے آپ سیدھے نیشنل کانفرنس کے جلسے میں



چلے گئے۔ شیخ عبداللہ نے اپنے بیٹے نامے میں کہا کہ ہم نیشنلزم اور کانگریس سے سیاسی تعلق کے حوالے سے محمد علی جناح کا ایک معزز مہمان کی حیثیت میں خیر مقدم کرتے ہیں۔ قائد اعظم نے اپنے خطاب میں کہا کہ آپ نے میرا استقبال محمد علی جناح نہیں بلکہ مسلم لیگ کے قائد کی حیثیت سے کیا ہے۔ قائد اعظم کا یہ کھرا جواب شیخ عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کو لاجواب کر گیا۔

شیخ عبداللہ نے قائد اعظم کو یہ بات بتانا چاہی کہ ریاست میں مسلمانوں کی آبادی 80 فی صد ہے۔ اس لیے یہاں کا اقتدار مسلمانوں کے پاس ہی ہوگا لیکن ہم نے ہندوؤں اور دیگر مذاہب کے لوگوں کو ساتھ ملانے کے لیے نیشنل کانفرنس کی بنیاد رکھی۔ اکثریتی مسلمانوں کی جدوجہد کے ساتھ اقلیت کے شامل ہونے سے تحریک آزادی کا تشخص سیکولر ہو جائے گا۔ قائد اعظم نے مسکراتے ہوئے شیخ عبداللہ سے پوچھا۔ ”اب تک کتنے غیر مسلم نیشنل کانفرنس میں شامل ہوئے ہیں۔“ اس پر شیخ عبداللہ اور اس کے ساتھی کوئی جواب نہ دے سکے۔ مورخین کے مطابق اس وقت صرف دو پنڈت نیشنل کانفرنس کا حصہ تھے اور وہ بھی صرف

کشمیر سے قائد اعظم کی وابستگی سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ قائد اعظم کشمیر کو پاکستان کا حصہ سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ پاکستان اور کشمیریوں کے دل ایک ساتھ دھڑکتے ہوں۔ قائد اعظم کی کشمیر سے محبت کا اندازہ ان کے اس بیان سے لگایا جاسکتا ہے جو انہوں نے اپنی وفات سے چند روز قبل دیا۔ ”کشمیر سیاسی اور فوجی اعتبار سے پاکستان کی شہ رگ ہے اور کوئی خود دار ملک اور قوم یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ اپنی شہ رگ کو دشمن کی تلوار کے حوالے کر دے۔“

26 دسمبر 1938ء کو پٹنہ میں مسلم لیگ کے ایک اجلاس میں آپ نے کہا تھا کہ ”آریہ سماجی ہندو مہا سچائی کانگریس قوم پرست اور کانگریسی اخبار، یہ سب کشمیر کے معاملے پر کیوں چپ سادھے ہوئے ہیں؟ کیا اس وجہ سے کہ کشمیر ہندو ریاست ہے یا اس وجہ سے کہ کشمیر کی آبادی کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے؟“

مئی 1944ء میں قائد اعظم محمد علی جناح کو شیخ عبداللہ نے جموں و کشمیر کے دورے کے لیے بلایا۔ شیخ عبداللہ کے نمائندوں نے قائد اعظم سے لاہور میں ملاقات کی اور انہیں جموں و کشمیر آنے

دکھاوے کے لیے، بعد میں وہ بھی اس سے الگ ہو گئے۔

قائد اعظم نے سری نگر میں دو ماہ قیام کیا۔ جون 1944ء کے آخر میں آپ نے آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں شرکت کی۔ اس میں ہزاروں افراد شریک ہوئے۔ لوگ اپنے گھروں کی چھتوں پر قائد اعظم کو دیکھنے کے لیے موجود تھے۔ قائد اعظم نے ایک گھنٹہ سے زائد اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ آپ نے کہا کہ شیخ عبداللہ نے مجھے یاد کرانے کی کوشش کی ہے کہ تحریک آزادی کو تقویت پہنچانے کے لیے میں نے ہندوؤں کو اس پلیٹ فارم میں شامل کیا۔ قائد اعظم نے لوگوں سے کہا کہ آپ مسلم کانفرنس کے پلیٹ فارم سے جدوجہد جاری رکھیں۔ اقلیتوں سے اچھا سلوک کریں۔ آپ نے خصوصاً فرمایا۔ ”کشمیر مسلم اکثریت کی ریاست ہے۔ یہاں 32 لاکھ مسلمان آباد ہیں جن کا خدا، رسول، کلمہ، کعبہ، قرآن ایک ہے۔ لہذا ان کو مسلم کانفرنس میں منسلک ہو کر آزادی کی جدوجہد کرنی چاہیے۔ برصغیر کے دس کروڑ مسلمان ان کے ساتھ ہیں۔“ انہوں نے اپنے خطاب میں کشمیریوں کو ان کی منزل کے حصول میں راہ نمائی کی۔ آپ کو کشمیر کے دہرے سے اندازہ ہو گیا کہ جموں و کشمیر کے مسلمانوں کے دلوں میں پاکستان کی ناقابل تسخیر محبت موجود ہے۔ انہوں نے کشمیریوں سے فرمایا کہ بحیثیت مسلمان ہمارے لیے عزت کا ایک ہی راستہ ہے۔ اتحاد، اتفاق، ایک پرچم، ایک نصب العین، اسی میں ہماری کامیابی ہے۔

17 مئی 1947ء کو قائد اعظم نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ایک مکالمے میں پاکستان کے حرف میں لفظ ”ک“ برائے کشمیر کہا۔ کشمیر کا پاکستان کا حصہ بننے کی دوسری وجہ قائد اعظم کے نزدیک یہ تھی کہ یہاں مسلم آبادی کی اکثریت ہے اور پھر یہ پنجاب سے متصل ہے جو مسلم آبادی کا صوبہ ہے۔ تیسری وجہ کشمیر کی معیشت کا دار و مدار اور بیرونی ممالک سے تجارت کے لیے ان علاقوں سے ہو کر گزرتا تھا جو پاکستانی ہیں۔ چوتھی اور اہم وجہ یہ تھی کہ پاکستان کی زرعی زندگی کا انحصار جن دریاؤں (سندھ، چناب، جہلم) پر تھا، ان کا بیشتر حصہ کشمیر سے ہو کر گزرتا تھا۔ دریائے سندھ جو 1800 میل طویل ہے، اس کا زیادہ حصہ کشمیر سے ہو کر گزرتا ہے۔ اس طرح جہلم اور چناب کے پانیوں کا دار و مدار بھی کشمیر سے

پکھلنے والی برف پر ہے۔

مشہور کتاب ”ٹرانسفر آف پاور ان انڈیا“ میں لکھا ہے کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے 14 اگست 1947ء کو بھوپال اور الور کے راجاؤں کو بتا دیا تھا کہ گوردا سپور کو مشرقی پنجاب میں شامل کرنے سے مہاراجہ کشمیر کے لیے بھارت کے ساتھ الحاق کو آسان بنایا جا سکتا ہے۔“

تقسیم ہند کے آخری وقت میں جب ریڈ کلف کی طرف سے نقتوں میں تبدیلی کی گئی اور گوردا سپور کی دو تحصیلیں جہاں مسلم آبادی کی اکثریت تھی، بھارت میں شامل کرنے کی سازش کا علم قائد اعظم کو ہوا تو انہوں نے اسے ہندو اور انگریز کی کارستانی اور تقسیم کے اصولوں کی خلاف ورزی اور نا انصافی قرار دیا۔ قائد اعظم نے فوری طور پر محمد علی کو لارڈ اسماعیل جو ریڈ کلف کا سیکرٹری تھا، کے دفتر روانہ کیا۔ محمد علی نے اس بات کی تصدیق کی کہ کشمیر پر بھارتی قبضے کی راہ ہموار کر دی گئی ہے۔ ایسی صورتحال میں قائد اعظم نے کشمیر پر فوجی کارروائی کا حکم دیا جس پر انگریز کمانڈران چیف نے عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ یوں اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ کشمیر کو بھارت کا حصہ بنانے میں انگریزوں نے بھی ہندوؤں جیسا کردار ادا کیا تھا۔

1947ء میں کشمیریوں کی مدد کرنے پر بھارتی گورنر جنرل نے قائد اعظم پر قبائلی مسلمانوں کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے دباؤ ڈالا مگر قائد اعظم نے وہ ٹوک الفاظ میں انکار کر دیا اور کہا کہ قبائلی مسلمانوں کے خلاف کارروائی نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ وہ کشمیری مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھ کر ان کی مدد کر رہے ہیں۔

قائد اعظم کی کشمیر سے محبت کوئی ڈھکن چھپی بات نہیں۔ کشمیر کو وہ پاکستان کی شہ رگ تو قرار دیتے ہی تھے لیکن ان کا کشمیر سے والہانہ لگاؤ کا اندازہ اس بات سے بھی لگانے کے زندگی کے آخری ایام میں بھی کشمیر ان کے دماغ پر چھایا رہا۔ 1948ء میں اپنے انتقال سے پہلے نیم بے ہوشی میں وہ بڑبڑاتے رہے۔

”کشمیر کمیشن کہا ہے؟ وہ لوگ کیوں نہیں آئے؟“

(اس وقت تک مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ میں جا چکا تھا۔)

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم غمبہ کریں کہ قائد اعظم کے فرمان اور خواہش کے مطابق کشمیر کو پاکستان کا حصہ بنانے میں بھارتی کردار ادا کریں گے۔

☆ ☆ ☆

غلام حسین میمن



دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس

خانہ کعبہ مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ ایک روز نماز کے دوران ہی وحی کے ذریعے اللہ کے رسول ﷺ کو قبلہ مسجد اقصیٰ سے خانہ کعبہ کی جانب کرنے کا حکم ہوا۔ اس وقت جس مسجد میں یہ نماز ادا کی جا رہی تھی، اس کا نام ہی ذوقلمتین ہو گیا، یعنی دو قبلوں والی مسجد۔

مسجد اقصیٰ کی سازش سے وہ مسلمان جو پہلے ہی اپنی کمزوری کا احساس کر کے ایک متحد قوت بننے کی فکر میں تھے، اس واقعے نے انہیں اتفاق کی ایک لڑی میں پرو دیا۔ انہوں نے اس واقعے کے بعد اسلامی ممالک کی تنظیم O.I.C قائم کی۔ اس کا پہلا اجلاس 22 ستمبر 1969، کو مراکش کے شہر رباط میں ہوا۔ تین روزہ اس اجلاس میں 26 اسلامی ممالک کے سربراہوں نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں باقاعدہ اسلامی سیکرٹریٹ کا قیام عمل میں آیا، اس کا صدر دفتر جدہ (سعودی عرب) میں ہے۔

اس کے اغراض و مقاصد یہ طے پائے:

اتحاد اسلامی کو فروغ دیا جائے۔

معاشی، سماجی، ثقافتی اور سائنس کے شعبوں میں رکن ممالک کے درمیان تعاون بڑھایا جائے۔

نسلی منافرت ختم کی جائے۔

قرآن مجید میں یہودیوں کو ناپسندیدہ قوم قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہود اور نصاریٰ (عیسائی) تمہارے دہست نہیں ہو سکتے۔ نبی کریم ﷺ نے کئی غزوات میں کفر کے خلاف جہاد کیا۔ ان میں کئی بار کفار کا ساتھ یہودیوں نے دیا۔ وہ وعدہ خلاف اور موقع پرست قوم ہے۔

مسلمانوں اور یہودیوں کی دشمنی شروع سے ہی ہے۔ آج ان کے ظلم کے سب سے زیادہ شکار ہمارے فلسطینی بھائی ہیں۔ انہیں ان کے ملک اور زمین سے بے دخل کیا جا رہا ہے۔ احتجاج پر قید میں ڈالا جاتا ہے اور قتل عام بھی کوئی نئی بات نہیں ہے۔

یہودیوں کی سازش کے نتیجے میں 21 اگست 1969، کو مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کے ایک حصے کو جلانے کی ناپاک سازش ہوئی۔ اس واقعے نے عالم اسلام میں غم و غصے کی لہر دوڑا دی۔ پوری عالم اسلام مسلمانوں کے قبلہ اول کے لیے بے چین ہو گئی۔ اسے قبلہ اول یوں کہا جاتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نبوت کے مرتبے پر فائز ہوئے اور انہیں شب معراج کے موقع پر نمازوں کا تحفہ ملا، تو تقریباً سترہ (17) ماہ تک مسلمان مسجد اقصیٰ کی جانب منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی خواہش تھی کہ

بین الاقوامی امن کے قیام کے لیے کوشش کی جائے۔

مقدس مقامات کے تحفظ کے لیے کوشش کی جائے۔

فلسطینی عوام کی جدوجہد آزادی کی حمایت اور ان کی مدد کی جائے۔

اس سیکرٹریٹ کے ذیلی ادارے بھی قائم ہوئے جن میں

القدس فنڈز، بین الاقوامی کمیٹی برائے اسلامی ورثہ، اسلامی

شہری ہوا بازی کونسل، اسلامی فاؤنڈیشن آف سائنس اینڈ

نیکنالوجی، اسلامی قانون اکیڈمی، اسلامی ترقیاتی بینک، جدہ

اور اسلامی عدالت انصاف وغیرہ شامل ہیں۔

اسلامی سربراہی کانفرنس کا دوسرا اجلاس 22 فروری 1974ء

بروز جمعہ کے تاریخی دن پنجاب اسمبلی ہال میں تین روز کے لیے

شروع ہوا۔ اس موقع پر لاہور شہر کو مسلمان سربراہوں کے استقبال

کے لیے بہترین انداز میں سجایا گیا تھا۔ جگہ جگہ خوش آمدید کے بینر

آویزاں کیے گئے تھے۔ شہریوں کی جانب سے شالامار کے تاریخی

باغ میں سربراہوں کو شاندار استقبال دیا گیا۔

پاکستانی قوم کے اس جوش و خروش میں ریڈیو پاکستان اور

پاکستان کے ٹیلی ویژن بھی کسی سے پیچھے نہ تھا۔ اس موقع پر کراچی

ریڈیو کا تیار کردہ مہدی ظہیر کی آواز میں قومی نغمہ تیار کیا گیا تھا۔

ہم تابا ابد سعی و تغیر کے ولی ہیں!

ہم مصطفوی، مصطفوی، مصطفوی ہیں

اس موقع پر پاکستان محکمہ ڈاک نے یادگاری ڈاک ٹکٹ کا

سیٹ اور سوویر بھی جاری کیا۔

کانفرنس کے انعقاد سے پہلے، کانفرنس میں شرکت کے لیے

آنے والے تمام مسلم ممالک کے سربراہان اور نمائندگان نے لاہور

کی تاریخی بادشاہی مسجد میں نماز جمعہ ادا کی۔ اس موقع پر منشی اعظم

فلسطین سید امین الحسینی، تنظیم آزادی فلسطین کے سربراہ یا سرعرفات،

سعودی عرب کے بادشاہ شاہ فیصل سمیت کئی عالمی رہنما شامل تھے۔

اس وقت مسجد اور اس کا صحن نمازیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ نماز

جمعہ کی امامت بادشاہی مسجد کے خطیب مولانا عبدالقادر آزاد نے

کی۔ نماز سے قبل خطبہ میں انہوں نے مسلم اتحاد پر زور دیا اور قرآن

مجید کی ان آیات کی تلاوت کی جن میں اتحاد کی تلقین کی گئی تھی۔

اسلامی ملک بنگلہ دیش، جو کبھی پاکستان کا حصہ تھا۔ اسے بھی

کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی، مگر بنگلہ دیش نے اس

کانفرنس میں شرکت سے پہلے یہ شرط عائد کی کہ پاکستان پہلے اس

کی آزاد حیثیت کو تسلیم کرے۔ کانفرنس کے پہلے روز، کانفرنس کے

آغاز سے ذرا دیر پہلے وزیر اعظم پاکستان نے بنگلہ دیش کی حکومت

کو تسلیم کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی پاکستان ہمیشہ کے لیے اپنے مشرقی

حصے سے دور ہو گیا۔

اس کانفرنس کے صدر، اسلامی جمہوریہ پاکستان کے وزیر اعظم

ذوالفقار علی بھٹو تھے۔ شام چھ بجے اسلامی سیکرٹریٹ کے سیکرٹری

جنرل حسن محمد اجتہا اور پاکستان کے سیکرٹری خارجہ آغا شاہی نے

کانفرنس کے سیکرٹری کے فرائض انجام دیئے۔

کانفرنس کا باقاعدہ آغاز قاری زاہد قاسمی کی تلاوت سے ہوا۔

اس میں 37 ممالک کے سربراہ اعلیٰ اور نمائندے شریک ہوئے۔

ان میں سربراہان کی تعداد 24 تھی۔ اس کے علاوہ تنظیم آزادی

فلسطین، عرب لیگ، مؤتمر اسلامی اور رابطہ اسلامی کے وفد بھی

شریک ہوئے۔ تین دن جاری رہنے والا یہ اجلاس 24 فروری

1974ء کو اختتام پذیر ہوا۔ اس موقع پر سرکاری اعلامیہ جاری ہوا۔

اس کے مطابق یہ کانفرنس ایک اہم پیش رفت ہے جس کے

ذریعے عالم انہلام کو ایک دوسرے کے قریب آنے اور مسائل کو حل

کرنے میں مدد ملی۔ اس میں مشرق وسطیٰ اور فلسطین کے مسئلے پر

مکمل اتحاد اور یک جہتی کا اعلان بھی ہوا۔

اس کانفرنس کے یادگار کے طور پر قائم اسلامی سمٹ مینار

اسلامی اتحاد کا گواہ ہے۔ اس کا ڈیزائن ترکی کے مشہور ماہر تعمیرات

وحدت بلو کے نے بنایا۔ وہ اس سے قبل شاہ فیصل مسجد کا ڈیزائن

بھی بنا چکے ہیں۔ یہ مینار لاہور میں فیصل اسکوائر میں پنجاب اسمبلی،

واپڈا ہاؤس اور الفلاح بلڈنگ کے عین وسط (درمیان) میں موجود

ہے۔ اس کا مینار 150 فٹ اونچا اور 5 مربع فٹ چوڑا ہے۔ اس

کے اندر کنکریٹ اور لوہا بھرا ہوا ہے۔ اس کے چاروں طرف خیمہ نما

تختیاں ہیں۔ مینار کے احاطے میں سونے کے تاروں سے لکھا ہوا

قرآن پاک رکھا ہوا ہے۔ اس مینار کا افتتاح، کانفرنس کی تیسری

سالگرہ کے موقع پر 22 فروری 1977ء کو پاکستان کے وزیر اعظم

ذوالفقار علی بھٹو نے کیا۔ اس یادگار موقع پر چاندی کا سورہ پے کا

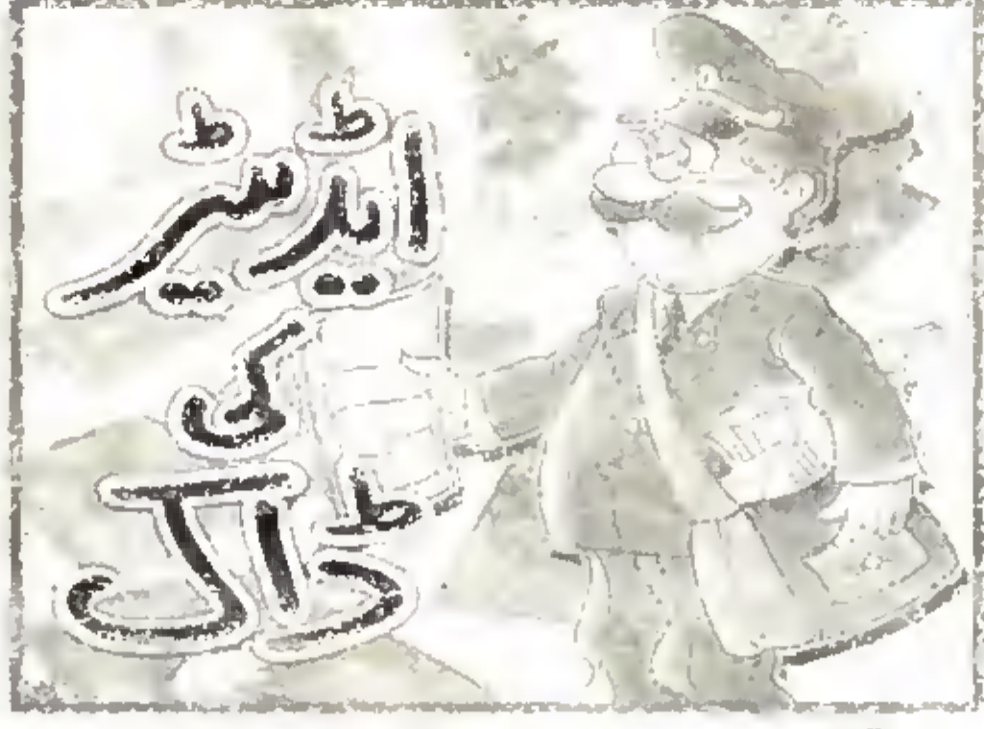
سکہ اور سونے کا ایک ہزار روپے کا سکہ بھی جاری کیا گیا۔

☆☆☆

اچھی اچھی باتیں بھی سیکھتے ہیں۔ جنوری کے شمارے میں تقریباً تمام کہانیاں اور تمام سلسلے اعلیٰ ترین اور قابل تعریف ہیں۔ میں آج یہاں بار لکھ رہی ہوں شائع ضرور کیجیے گا۔ میں نے بہت سی امیدیں لگائی ہیں اور بہت صاف نیت سے لکھا ہے۔ تعلیم و تربیت کا ہر سلسلہ بہت ہی اچھا ہے۔ میں آپ کو کچھ لطائف اور کہانیاں بھیجنا چاہتی ہوں طریقہ بتاویں۔ (غریب بشیر، لاہور)

☆ شکریہ اذیر عروج! بذریعہ ڈاک یا ای میل سے اپنی چیزیں بھیجائیں۔ امید ہے کہ تعلیم و تربیت کی پوری ٹیم نیریت سے ہوگی۔ سب سے پہلے تو ایک گلدہ کہ آپ خیل تو کیا نام تک شائع نہیں کرتے۔ کیا آپ ناراض ہیں؟ ناراض نہیں تو خط شائع کیجئے کیوں کہ میں ہر ماہ باقاعدگی سے خط لکھتا ہوں۔ چلیں چھوڑیں۔ اس ماہ رسالہ "جواک ہنس" تھا۔ "ٹھگ" کی آخری قسط پڑھ کر لبوں پر بے ساختہ "واہ" آ گیا۔ جھوٹا بیچ، راجا رانی اور بھلکدہ بہت زبردست تھے۔ "زمزمہ ٹوپ" اور "شیر شاد سوری" بہت معلوماتی تھے۔ میرے سب دوست کتنے ذہین و فطین ہیں کتنی اچھی اچھی تحریریں لکھتے ہیں۔ جلیں اب اجازت دیں، ہوسہ درک بھی کرنا ہے۔ اللہ حافظ! (محمد نواز، سیال پور)

☆ خط لکھنے کا شکریہ اپنی تحریریں بھی بھیجیں۔ ذرا آئی کیا حال ہے؟ امید ہے ٹھیک ہوں گی۔ جنوری کا شمارہ جیسے ہی ہاتھ میں آیا دل میں خوشیوں کے لہر بھونکنے لگے۔ نگر سرورق پر "نیا عیسوی سال مبارک ہو" بیسے الفاظ کو لڑنے لڑنے کر رہ گیا۔ کیوں کہ ہم محرم الحرام سے شہزادہ ہوتے آئے۔ اس سال کی اہمیت سے غفلت کا ثبوت اسے رہے ہیں۔ براہ مہربانی کچھ ایسا بونا چاہیے کہ اقبال کے شاہینوں میں عقلمانی روح بیدار ہو اور اسلامی شخصیت اجڑ سکے، بہر حال اب آتی ہوں "تعلیم و تربیت" کے درخشندہ الفاظ کی طرف۔ حمد و نعت سے دل کو منور کرتے ہوئے تسبیحات و طہرہ سے سفر کرتے ہوئے سب سے پہلے "استاد اور شاگرد" پڑھی۔ جس کو پڑھ کر آنکھوں میں نمی آ گئی۔ واہ راکر غلام یاسین! آپ نے بہت حساس موضوع پر اپنے قلم کو جنبش دی۔ امید ہے کہ آپ آئندہ بھی ایسے ہی منفرد موضوعات کو لے کر ہمارے اور بچوں کے ذہنوں کو جلا بخشنے میں آئیں گے۔ اس کو پڑھنے کے بعد اوجھل خاکے پر نظر پڑی تو دل نے افسانہ یہ کام بھی کر لیا، یقین کریں اپنی امیراہ ماغ محمد مرگیا غر میں نے ساری چیزیں تلاش کر لیں۔ معاونات سے



☆ نیریت و تربیت، السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟ نیا سال مبارک ہو! تعلیم و تربیت میں یہ میرا پہلا خط ہے۔ جب ہمارے والدین ہماری تربیت کر رہے تھے تو وہ تعلیم و تربیت کو ہمارے لیے از حد ضروری خیال کرتے تھے اور آج بھی ہم اس سے اتفاق کرتے ہیں۔ ماشاء اللہ تعلیم و تربیت کا معیار برقرار ہے۔ کیلنڈر کے تختے کا بہت شکریہ، جسے میں نے اپنی ٹیبل پر لٹایا ہے۔ قرآن و حدیث میں سال کے شراب میں ہنسی ٹھکانے کا تختہ اچھا لگا۔ کہانیاں سب بے حد اچھی لگیں۔ ایڈیٹر لی ڈاک میں جلد پانے کے لیے ہم نے اختصار کی چادر ڈالنے سے اور سب اچھا کا چادر چلا رہے ہیں۔ ماہانہ معاونات، مزہ، تاریخ، رنگ بھریں اور پہیلیاں۔ اتنا کچھ اس میں موجود ہے کہ تعریف نہ کرنا زیادتی ہوگی اور میں سچ پر نوجہ! مجھے کا بالکل دل نہیں چاہ رہا۔ حقیقت خود کو منور لیتن ہے۔ مانی نہیں جاتی۔ بس اس میں صرف ہماری موجودگی کی کمی محسوس ہوئی۔ سو وہ پوری کر دی۔ اللہ اب آپ حوصلہ بڑھائیں اور ہم بھی پاؤں پھیلانیں۔ یعنی کہانی بھیجیں۔ کیا خیال ہے...!! (منازہ رحمت، کراچی)

☆ ضرور! خوش آمدید، بخیر رہنا، جی آئیوں۔ ڈیر ایڈیٹر صاحب! امید ہے کہ آپ ٹھیک ٹھاک ہوں گی۔ میں غرضہ راز سے تعلیم و تربیت کی خاموش قادیہ ہوں۔ کبھی لکھنے کی ہمت بھی نہ ہوئی لیکن آج مجھے رسالے کے معیار نے لکھنے پر مجبور کر دیا ہے۔ آپ کا رسالہ میرا مطلب ہے ہمارا رسالہ بہت ہی تعریف کے قابل ہے۔ اس میں بچوں کے لیے ہر طرح کی رہنمائی موجود ہے۔ سچے نہ صرف اس کو پڑھ کر محفوظ ہوتے ہیں بلکہ بہت ہی

بھر پور فنلے مورس، حضرت یونس، بچوں کا انسائیکلو پیڈیا، موتی کیسے بنتے ہیں، شیر شاہ سوری، زمزمہ توپ، منبر؛ جہانگیر جیسی تحریر زبردست تھیں۔ مہوش کی ”جھوٹا سچ“ پڑھی تو واقعی معاشرہ میں ایسا ہو رہا ہے۔ اس کے بعد ”حسن سلوک“ پڑھی تو فوراً میرے سامنے وہ واقعہ آ گیا جب ایک اونٹ پیارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے مالک کی شکایت لگانے آیا تھا۔ باقی رسالہ ابھی زیر مطالعہ ہے۔ او کے فی امان اللہ فرمایا۔ اللہ اس رسالے کو کامیابی سے ہمکنار فرمائے (آمین) ایک شعر کے ساتھ اجازت چاہوں گی۔

فانی اللہ کی تہ میں بقا کا راز مضمحل ہے
جسے جینا نہیں آتا اسے مرنا نہیں آتا

(شازیہ ہاشم میواتی، قصور)

☆ آپ کا خوب صورت تبصرہ پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ آتی جاتی رہا کریں۔

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی۔ پورا کا پورا رسالہ لا جواب تھا۔ کہانیاں شگابل، استاد اور شاگرد اور ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے بازی لے گئیں۔ لطائف بھی ہمیشہ کی طرح اچھے تھے۔ میں اس رسالے کو بہت شوق سے پڑھتی ہوں لیکن میرا خط آپ نے کبھی شائع نہیں کیا۔ ایک مہینہ بے صبری سے گزرتا ہے تو رسالے میں خط شائع نہیں ہوتا۔ پلیز، یہ خط شائع کر دیں۔ اچھا یہ بتائیے کہ میری لکھائی کیسی ہے؟ امید ہے آپ میرا خط شائع کر کے حوصلہ افزائی کریں گی۔ اللہ تعالیٰ اس رسالے کو ترقی دے اور آپ کو خوش رکھے۔

(تحریم نور)

☆ اب تو آپ خوش ہیں۔ لکھائی بھی اچھی ہے۔

امید ہے کہ آپ سب ٹیم خیریت سے ہوں گی۔ آپ نے ہم کو رلایا مگر ہم نے آپ کو کچھ نہیں کہا۔ آپ نے ہم کو جھٹلایا مگر ہم نے آپ کو کچھ نہیں کہا، آپ نے نام بھی شائع نہ کیا لیکن ہم نے خط ضرور لکھا اگر یہ بھی شائع نہ ہوا تو ہم... کوئی بات نہیں، ہر خط لکھ دیں گے۔ گلے شکوؤں کے بعد امید ہے کہ یہ خط ضرور شائع کریں گی کیوں کہ آپ تعریفی خطوں کے ساتھ تنقیدی خطوط بھی شائع کرتی ہیں۔

(شاہ زیب اثر، پشاور)

☆ اپنی تجاویز اور آراء سے بھی آگاہ کرتے رہا کریں۔

سب سے پہلے آپ کو اور تعلیم و تربیت کی پوری ٹیم کو بہت ساری دعائیں! میں تو ٹھیک ہوں یقیناً آپ بھی ٹھیک ہی ہوں گی اور ان

رات تعلیم و تربیت کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کر رہی ہوں گی۔ اس بار رسالہ پڑھ کر میرا دل خوشی سے جھوم اٹھا اور خود بہ خود زبان سے ”ماشاء اللہ“ نکل آیا اس ماہ کا رسالہ تو ریکارڈ توڑ گیا۔ میں ایک حافظ اور جماعت ہفتم کی طالبہ ہوں اور میرے پاس ان چیزوں کا وقت نہیں ہوتا مگر پھر بھی میں اس رسالے کی خاطر اپنا وقت نکالتی ہوں۔ پلیز! میری محنت سے لکھے ہوئے خط کو رد نہ کیجئے گا اور اسے ضرور شائع کریں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ”تعلیم و تربیت“ کو آسمان کی بلند یوں تک پہنچا دے۔ (آمین!) (حافظ آمنہ اسلم، جہانیاں)

میں خیریت سے ہوں اور امید کرتی ہوں کہ آپ بھی خیریت سے ہوں گی۔ میں بہت دفعہ آپ کو خط لکھ چکی ہوں لیکن ایک بھی شائع نہیں کیا صرف یہ ہی نہیں بلکہ آپ نے میرے جوابات کھوج لگائے اور دماغ لڑاؤ بھی شائع نہیں کیے اور ہونہار منصور میں بھی کوئی تصویر شامل نہیں کی لیکن پھر بھی میں نے ہمت نہیں ہاری اور ایک بار پھر آپ کو خط لکھنے بیٹھ گئی۔ خیر اب میں بہت پر امید ہوں کہ اس مہینے ضرور میرا نام ہی نہیں بلکہ تحریر بھی شائع کی جائے گی۔ ہمیشہ کی طرح ساری کہانیاں ناپ پڑتھیں کسی ایک کا نام لینا دوسری کہانیوں کے ساتھ نا انصافی ہو گی۔ میری دعا ہے کہ تعلیم و تربیت دن بگنی رات چوگنی ترقی کرے۔

(ازکی آصف، پشاور)

☆ پیاری ازکی! انعامات بڑی عمدہ انداز میں دیئے جاتے ہیں۔ فون پر رابطہ کریں۔

ان ساتھیوں کے خطوط بھی بہت مثبت اور اچھے تھے، تاہم جگہ کی کمی کے باعث ان کے نام شائع کیے جا رہے ہیں:

سایہ، رضوان انوان، شیخ پورہ، حیدر نشان، خدیجہ نشان، حسن رضا سرور، پٹنی، کامبوجی، بنت، تنزیہ، کراچی، سیدہ ردا زینب بخاری، گوجرانوالہ، تنبیت آفرین، مندی بہاؤ الدین، ربیعہ آفتاب، ایبٹ آباد، تماضر ساجد، صادق آباد، میرین بنت، کائنات آفتاب، لاہور۔ مریم فاطمہ، مجاہد حسین، سہلی ہال، حافظہ خنسا، اقبال، جہانیاں۔ حمزہ سعید، ٹوپ ٹیپ سنگھ، نایاب صدیقہ، اریب تحریم، راول پنڈی، ابرار الحق، راجہ جنگ، ماہ نور ملک، محمد حمزہ لغاری، میانوالی، حفیظہ انظہر، میٹھ فاطمہ، فیصل آباد، سعیدہ افتخار، شیخ پورہ، سائرہ حبیب، غزال حبیب، تاندلیانوالہ، عائشہ عبدالسلام، نواب شاہ، اسامہ خیاب علی، تالہ گنگ، عبدالعزیز، نیکسا، محمد عطا، اعظمی، پنڈت، شہزاد حسن، صبح الحسن، کامران، زینب صادق، فاروق آباد، محمد حاشر، چارسدہ، شمر خان، ملیح نور، حمزہ عبداللہ، اسد ارشد خان، لاہور، فرید احمد، میانوالی۔ سیدتیہ، رطلی، جنگ سدھ، خدیجہ گل، چارسدہ، میمن نوید، راول پنڈی۔

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائس کو الٹی پی ڈی ایف
ایڈ فرس لنکس
ایک کلک سے ڈاؤن لوڈ
ڈاؤن لوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر
کتاب کی مختلف سائزوں میں اپلو ڈنگ
ناولز اور عمران سیریز کی مکمل ریجنج

Click on <http://paksociety.com> to Visit Us

<http://fb.com/paksociety>

<http://twitter.com/paksociety1>

<https://plus.google.com/112999726194960503629>

پاک سوسائٹی کو فیس بک پر جوائن کریں

پاک سوسائٹی کو ٹویٹر پر جوائن کریں

پاک سوسائٹی کو گوگل پلس پر جوائن کریں

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس

بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

Dont miss a singal one of your Favourite Paksociety's Update !

- i. Open Paksociety Page.
- ii. Click Liked.
- iii. Select Get Notifications.
- iv. Select See First.

All Done

Like Message

Get Notifications
Add to Interest Lists...

Unlike

IN YOUR NEWS FEED

See First
See new posts at the top of News Feed

Default
See posts as usual

Unfollow

گلشوم سعید

قصہ تین درزیوں کا



پڑی۔ محل کے سنہری مینار ہیرے جواہرات کی طرح جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ تینوں لپک جھپک محل کے دروازے پر پہنچے اور بغیر پوچھے گچھے اندر داخل ہو گئے۔

اتنا بڑا محل لیکن نہ آدم نہ آدم زانو۔ ہر طرف ہوا حق۔ ایک کمرے کے بعد دوسرے، دوسرے کے بعد تیسرے اور تیسرے کے بعد چوتھے کمرے میں سے ہوتے ہوئے وہ باورچی خانے میں پہنچے۔ چولہوں پر قسم قسم کے کھانے پک رہے تھے لیکن باورچی غائب تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑے اوجھرا اوجھرا دیکھ رہے تھے کہ ایک بڑی ہی باریک اور مہین آواز آئی ”خوش آمدید۔“ انہوں نے پلٹ کر پیچھے دیکھا تو ایک بطنخ نظر آئی۔ وہ انہیں سٹ پٹایا ہوا دیکھ کر مسکرائی اور بولی: ”بطنخ کا انسانوں کی طرح باتیں کرنا حیرت کی بات ہے۔ تم تنکے ماندے ہو اور بھوکے بھی۔ پہلے کھانا کھاؤ اور پھر آرام کرو۔ صبح جو مرضی چاہے پوچھ لینا.....“

ورزی غریب صبح کے بھوکے تھے۔ اتنا ڈٹ کر کھایا کہ معدہ پھول کر حلق تک آ گیا۔ اس کے بعد بطنخ انہیں ایک آراستہ پیراستہ کمرے میں لے گئی جہاں تین بستر پہلے سے تیار تھے۔ ایسے آرام وہ اور قیمتی بستر انہوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھے تھے۔ تنکے

کسی ملک میں تین درزی رہتے تھے۔ تینوں دوست تھے۔ بننے کئے تھے اور اپنے کام میں بھی خوب ماہر تھے مگر قسمت کے ایسے ہینے کہ ہمیشہ بھوکوں مرتے۔ روز روز کے رونے سے تنگ آ کر، ایک دن انہوں نے سوچا کہ اس ملک کو تو دیں چھوڑ اور کسی دوسرے ملک میں جا کر نصیبہ آزمائیں۔ شاید خدا بہتری کی کوئی صورت پیدا کر دے۔

یہ مدتوں پہلے کی بات ہے، اس زمانے کی جب کہ ریلیں اور موٹریں نہیں تھیں۔ لوگ پیدل یا گھوڑوں اور اونٹوں پر سفر کرتے تھے۔ درزی بے چارے بالکل پھانک۔ گھوڑا چھوڑ، کوئی مرادار گدھا بھی نہیں تھا ان کے پاس۔ کمرے دو چار سیر چنے باندھے اور پیدل ہی نکل کھڑے ہوئے۔

دوسرے یا تیسرے دن راستے میں ایک جنگل پڑا۔ بڑا لمبا چوڑا اور گھنا۔ شام تک مارا مار چلا کیے مگر جنگل تھا کہ ختم ہونے کا نام نہ لیتا تھا۔ شام پڑی تو بالکل ہی گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ اب تو وہ بڑے گھبرائے۔ ایک تو رات، دوسرے جنگل، تیسری بھوک۔ حیران پریشان کھڑے سوچ ہی رہے تھے کہ ایک درزی کی نظر ڈور..... شیشم کے درختوں کے گئے جھنڈ کے رہے۔ ایک بڑے سے محل پر

ایک بولا: ”اس درخت کے تھوڑے سے پتے بھی ہمیں مل جائیں تو ساری زندگی عیش اڑائیں۔“

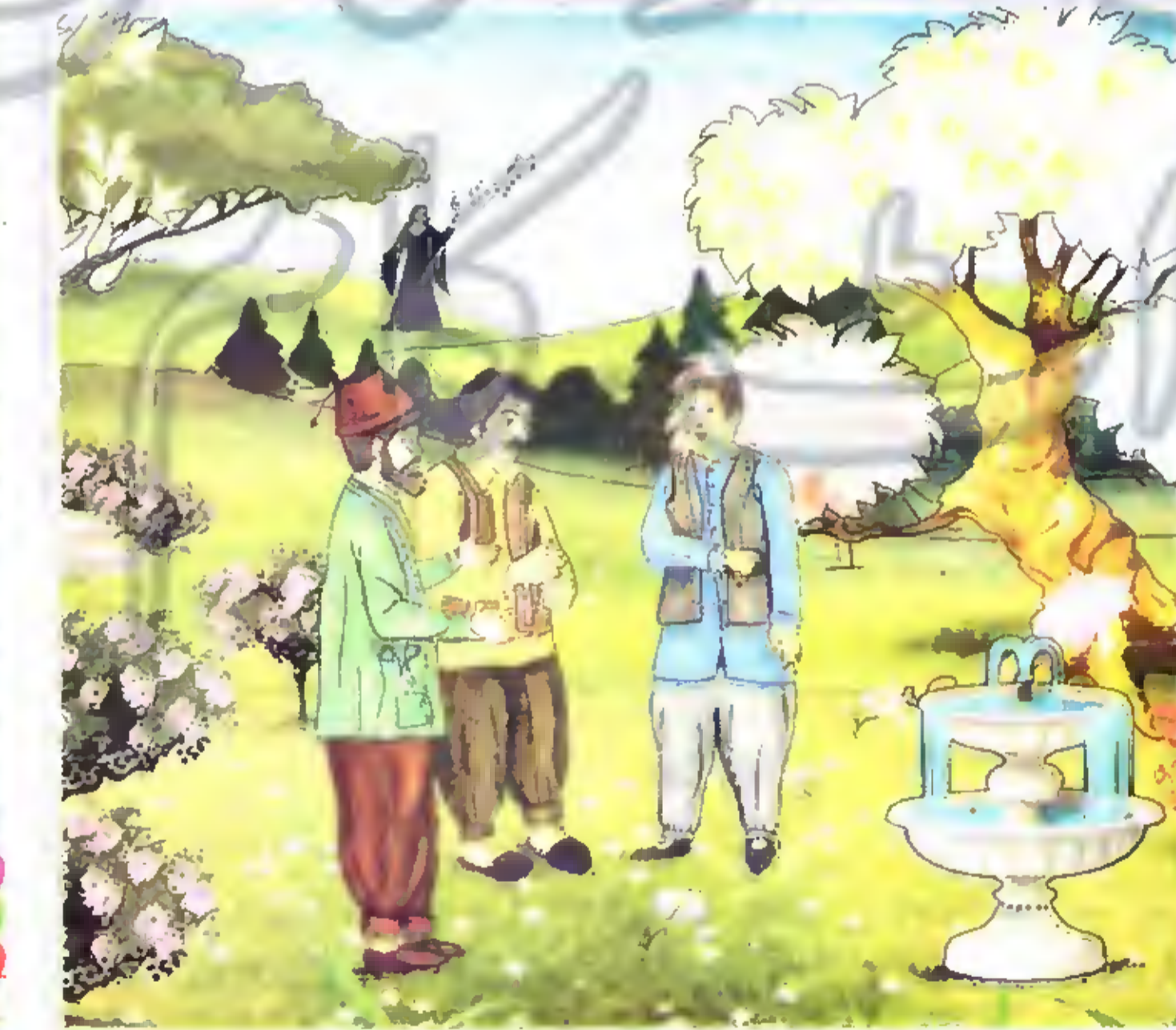
دوسرا بولا: ”دنیا کے امیر ترین لوگوں میں ہمارا شمار ہو۔ بڑے بڑے بادشاہ جھک جھک کر سلام کریں۔“

پہلا بولا: ”چھوڑو جی اس جادوگرنی کو۔ اس جینجھٹ میں کون پڑے۔ کیا پتا وہ ہم پر بھی جادو کر دے اور مکھی بنا کر کسی درخت سے چپکا دے۔ جان بوجھ کر جوکھوں میں جان ڈالنا عقل مندی نہیں۔ گنگا سامنے بہ رہی ہے۔ آؤ ہاتھ دھولیں۔“

تیسرا درزی بہت شریف اور قول کا پکا تھا۔ بولا: ”میں تمہیں کچھ نہیں کہتا۔ جو مرضی چاہے کرو مگر میں تو اپنے عہد پر قائم رہوں گا۔“

ساتھی بولے: ”جاؤ تم اپنے عہد کو شہد لگا کر چاشا۔ ہم تو ایسا سنہری موقع ہاتھ سے گوانے کے نہیں۔“ یہ کہہ کر ان میں سے ایک درخت پر چڑھ گیا اور پتے توڑ توڑ کر نیچے پھینکنے لگا۔

تیسرا درزی جادوگرنی کی تلاش میں آگے بڑھا۔ ابھی تھوڑی دُور ہی گیا تھا کہ ایک چھوٹی سی پہاڑی پر ایک دیورسیوں میں جکڑا پڑا تھا اور چھوٹی چھوٹی بے شمار بطخیں اس کا گوشت نوج نوج کر کھا



ہارے تو تھے ہی، ایسے گھوڑے بیچ کے سوئے کہ صبح ہی کی خبر لی۔ صبح کو ناشتے کے بعد انہوں نے بیچ سے پوچھا: ”اب بتاؤ کہ یہ کیا اسرار ہے؟“

بیچ بولی: ”یہ محل ایک جادوگرنی کا ہے، جو بہت ظالم اور کٹھور دل ہے۔ تم مجھے شریف اور بہادر انسان معلوم ہوتے ہو۔ اگر تم کوشش کرو تو اس جادوگرنی کا ظلم توڑ سکتے ہو۔“

”کس طرح.....؟“ دونوں درزیوں نے پوچھا۔

”بتاتی ہوں۔“ بیچ بولی۔ ”یہاں سے کچھ دُور ایک بہت خوب صورت باغ ہے۔ اسی باغ میں وہ منحوس چڑیل رہتی ہے۔ اگر تم نے اپنی حکمت اور عقل مندی سے اسے قابو کر لیا تو میں تمہیں مالا مال کر دوں گی۔“

”لیکن تم کون ہو.....؟“ درزیوں نے پوچھا۔

بیچ بولی: ”یہ تمہیں اس وقت خود بخود معلوم ہو جائے گا۔ جب تم اس جادوگرنی کا جادو توڑو گے..... لو اب جاؤ۔ خدا کے حوالے۔ لیکن ٹھہرو! پہلے ایک بات کا وعدہ کرو.....“

”کون سی بات.....؟“ درزیوں نے پوچھا۔

”اس باغ میں سونے کا ایک درخت ہے، جس کے پتے ہیرے جواہرات کے ہیں۔ خبردار! اس درخت کے پاس ہرگز نہ جانا ورنہ عمر بھر اس چڑیل تک نہ پہنچ سکو گے۔“

”ہم وعدہ کرتے ہیں۔“

درزیوں نے کہا اور بیچ کی بتائی ہوئی سمت روانہ ہو گئے۔

دوپہر کے قریب وہ اس باغ میں پہنچے جس میں جادوگرنی رہتی تھی۔ باغ کیا تھا ایک بگوبہ تھا۔ خوب صورت اور خوش نما کہ حوریں بھی دیکھیں تو دنگ رہ جائیں۔ باغ کے بیچوں بیچ وہ سونے کا درخت تھا، جس کے پتے ہیرے جواہرات کے تھے۔ درزیوں کی تو آنکھیں چوندھیا گئیں۔ ان میں سے

رہی تھیں۔ پاس ہی ایک عورت بیٹھی بلکے بلکے سروں میں کوئی راگ الاپ رہی تھی۔ دیو نے درزی کو دیکھ کر بڑی دردناک آواز میں کہا ”بھائی! خدا کے لیے میرے اوپر رحم کرو۔ یہ پاس ہی ایک ہتھوڑا پڑا ہے، اس سے میرا سر پھوڑ دو۔ سسک سسک کے مرنے سے ایک دم مرجانا بہتر ہے۔“

درزی نے ہتھوڑا اٹھایا اور آؤ دیکھا نہ تاؤ، دیو کے سر پر دے مارا۔ ایک دم اتنے زور کا دھماکا ہوا کہ زمین لرز اٹھی۔ آن کی آن میں وہ دیو ایک خوب صورت شہزادہ بن گیا۔ بطنیں نوکروں اور نوکرانیوں میں تبدیل ہو گئیں اور محل والی بطنج جس نے درزیوں کو جادو گرنی کا پتا بتایا تھا، ایک حسین شہزادی بن گئی۔ وہ عورت جو دیو کے پاس بیٹھی گا رہی تھی، اصل میں وہی جادو گرنی تھی۔ اس کا جادو ٹوٹا تو وہ ایسی دم دبا کے بھاگی کہ پلٹ کر دیکھا تک نہیں۔

شہزادے اور شہزادی نے درزی کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور اسے جادو کا ایک کپڑا انعام میں دیا۔

”اس کپڑے میں ایک بہت بڑی خاصیت ہے۔“ شہزادے نے کہا۔ ”جب تمہیں بھوک معلوم ہو تو تم اسے فرش پر بچھا دینا اور کہنا: ”کپڑے رے کپڑے کھانا دے، بس پھر دیکھنا غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔“ درزی نے جادو کا کپڑا بغل میں دبایا اور اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔

چلتے چلتے شام ہوئی تو اسے بھوک لگی۔ اس نے جادو کا کپڑا ایک صاف ستھری جگہ بچھایا اور بولا: ”کپڑے رے کپڑے کھانا دے۔“ یہ کہنا تھا کہ کپڑا قسم قسم کے لذیذ کھانوں سے بھر گیا۔ درزی نے پیٹ بھر کے کھانا کھایا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ لیکن ابھی اٹھ کر جانے ہی والا تھا کہ ریکا ایک وہ دیو آگئے اور دھاڑ کر بولے: ”او انسان کے بچے! تو آپ ہی آپ سارا کھانا چٹ کر گیا۔ ہمیں پوچھا تک نہیں۔ اب بھلائی اسی میں ہے کہ تو ہمیں کچھ کھانے کو دے ورنہ ہم تجھے ہی کچا چبا جائیں گے۔“

درزی بڑبڑایا۔ مارے ڈر کے سٹی گم ہو گئی۔ بچنے کا کوئی راستہ بھی نہ تھا۔ مجبوراً کپڑا بچھایا اور بولا: ”کپڑے رے کپڑے، کھانا دے۔“ آن کی آن میں کپڑا کھانوں سے بھر گیا۔ دونوں دیو کھانے پر پل پڑے۔ ان میں سے ایک دیو بڑا لالچی اور بد ذات تھا۔ اس نے کہا: ”تمہارا یہ کپڑا تو دنیا کا آٹھواں ٹچوہ ہے مگر

ہمارے پاس اس سے بھی ایک اچھی چیز ہے۔ اور وہ ہے جادو کا تھیلا۔ جب اس تھیلے کو کھول کر زور سے کہو گے۔ ”نکل رے فوج نکل۔“ تو فوراً اس میں سے ایک ہتھیار بند فوج نکل آئے گی اور جو تم کہو گے وہ کرے گی۔ اب تم ایسا کر دو کہ اپنا کپڑا ہمیں دے دو اور اس کے بدلے میں ہمارا تھیلا تم لے لو۔“

درزی بہت رویا پیٹا، چیخا چلایا، اچھلا کودا مگر دیوؤں نے ایک نہ سنی۔ انہوں نے تھیلا تو اس کے ہاتھ میں تھما دیا اور جادو کا کپڑا لے کر چلتے بنے۔

درزی سر پکڑ کے سوچنے بیٹھا کہ اب کیا کروں! ریکا اسے تھیلے کا خیال آیا۔ اس نے تھیلے کا منہ کھولا اور بولا: ”نکل ری فوج نکل!“ کہنے کی دیر تھی کہ ایک دم تھیلے میں سے تیس چالیس ہزار کا ایک لشکر لیفٹ رائٹ کرتا ہوا باہر نکل آیا۔ فوج کے جرنیل نے اٹن شن ہو کر درزی کو سلوٹ کی اور بولا:

”کیا حکم ہے آقا.....؟“

درزی نے کہا: ”ابھی ابھی دو دیو میرا جادو کا کپڑا چھین کر لے گئے ہیں۔ جاؤ اور ان سے وہ کپڑا لے کر آؤ۔“

دیو ابھی کچھ دور نہیں گئے تھے۔ فوج نے انہیں آنا فانا جا لیا۔ بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی۔ دیوؤں نے سینکڑوں سپاہیوں کی ٹانگیں چیر کر رکھ دیں مگر کہاں دو اور کہاں ہزاروں۔ آخر دیوؤں کو شکست ہوئی اور فوج کپڑا لے کر، فتح کے پھیرے اڑاتی درزی کے پاس واپس آگئی۔ درزی نے تھیلے کا منہ کھول دیا اور بولا: ”فوج ری فوج، گھس اندر۔“ اور فوج پھر تھیلے میں گھس گئی۔

تین چار دن کے سفر کے بعد درزی اپنے شہر میں پہنچا۔ اس کے ساتھی اب بہت امیر بن چکے تھے۔ لاکھوں کا کاروبار تھا۔ رہنے کے لیے بڑے بڑے محل تھے اور خدمت کے لیے ہزاروں نوکر چاکر۔ غریب درزی کا اور کوئی تو تھا ہی نہیں۔ بھری دنیا میں لے دے کے بس یہی دو دوست تھے۔ وہ پوچھتا پوچھتا انہی کے پاس پہنچا لیکن وہ ایسے طوطا چشم نکلے کہ سیدھے منہ بات تک نہ کی۔ بڑی بے رخی سے بولے: ”ہم نہ کہتے تھے کہ اس چڑیل کے جھنجھٹ میں نہ پڑو۔ اب مرتے پھر دو بھوکے۔ اور جدھر سینگ سائیں، چلے جاؤ۔ ہمارا تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔“

یہ وہی وہ دست تھے جن کے ساتھ اس نے اپنی زندگی بتائی



دوست باتیں کرتے رہے اور پھر پڑ کے سو گئے۔
صبح کو درزی جاگا تو اس کے دوست غائب تھے۔ کپڑا دیکھا تو
وہ بھی ندارد۔ البتہ تھیلا رکھا ہوا تھا۔ اس نے تھیلے میں سے فوج کو
نکالا اور بولا: ”میرے دوست جادو کا کپڑا چرا کر بھاگ گئے ہیں۔
فورا کپڑے سمیت انہیں میرے رو برو حاضر کرو۔“

فوج نے پلک جھپکتے میں دونوں دعا باز دوستوں کو اس کے سامنے
لا کھڑا کیا۔ ان کی یہ حالت کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ درزی ان کی
طرح بے مردت اور طوطا چشم نہ تھا۔ اس کے دل میں رحم آ گیا۔ بولا:
”میں تمہیں اس شرط پر معاف کرتا ہوں کہ اپنی آدھی دولت مجھے دے
دو تاکہ اس روپے سے غریبوں کے لیے خیراتی شفا خانہ اور اسکول بنائے
جائیں۔ اگر تم نے آنا کانی کی تو پھر سمجھ لو.....“ دونوں دوست اس کے
بیروں پر گر پڑے اور سچے دل سے وعدہ کیا کہ وہ گھر جاتے ہی اپنی
آدھی دولت اس کے نام پر کر دیں گے۔

جس ملک میں وہ درزی رہتا تھا۔ اس ملک کے بادشاہ کی فوج
کمزور تھی۔ آئے دن دوسرے ملکوں کی فوجوں سے ہتھی رہتی۔
بادشاہ کو خبر ملی کہ اس کے ملک میں ایک ایسا شخص رہتا ہے جس کے
پاس جادو کی فوج ہے تو وہ خود درزی کے پاس آیا اور اسے اپنی
فوجوں کا سپہ سالار بنا دیا۔ اب تو درزی کے دن پھر گئے اور وہ عیش

و آرام کی زندگی گزارنے لگا۔ ☆☆☆

تھی۔ جن کے ساتھ دانت کانی روٹی کا ساتھ تھا مگر اب دولت نے
انہیں اندھا کر دیا تھا۔ درزی کو اپنے دوستوں کی بے مروتی سے
بہت جدمہ ہوا۔ اس نے کہا: ”تم میری مدد نہیں کرنا چاہتے، نہ
سہی۔ مانا کہ میں تم جیسا امیر کبیر نہیں مگر دل میرا غنی ہے۔ کل شام
میرے غریب خانے پر آؤ، ہم اکٹھے کھانا کھائیں گے۔ کھانے کے
بعد میں تمہیں جادو کرنی کے سارے حالات بتاؤں گا۔ دوست
راضی ہو گئے۔“

دوسرے دن امیر دوست اپنے غریب دوست کے گھر گئے تو
اس نے بڑی آد بھگت کی۔ کھانے کا وقت ہوا تو اس نے دسترخوان
پر جادو کا کپڑا بچھایا اور بولا: ”کپڑے رے کپڑے، کھانا دے۔“
ذرا سی دیر میں کھانوں سے بھر دسترخوان انواع و اقسام کے کھانوں
سے بھر گیا۔ امیر دوست یہ دیکھ کر حیرت کے مارے اُچھل پڑے۔
کھانے کے بعد انہوں نے پوچھا: ”دوست! یہ کپڑا تم نے
کہاں سے حاصل کیا؟“ اس پر درزی نے انہیں سارا واقعہ سنایا۔
دوستوں کے دل میں بے ایمانی آگئی۔ انہوں نے آپس میں
مسکوٹ (سلاح و مشورہ) کی اور درزی سے بولے: ”بھئی! اتنے
دنوں کے بعد ملے ہو، خدا جانے پھر کب ملاقات ہو۔ اجازت دو تو
آج ہم یہیں سو جائیں۔ کل چلے جائیں گے۔“

نیک دل درزی خوشی سے راضی ہو گیا۔ آدھی رات تک تمناؤں

احمد عدنان طارق



جنوں کی سرزمین

میں گلے میں پہنوں گا۔ مجھ پر زیادہ بچے گا۔“
پھر زندگی میں پہلی دفعہ کسی بات پر ان کی بحث ہونے لگی۔
جیسے ہی ان کی بحث طویل ہوئی، سورج شاید اس بحث سے خائف
ہو کر بادلوں کے پیچھے چلا گیا اور بادل گہرے اور سیاہ ہونے لگے۔
تیز ہوا چلی اور تیز ہوا کے چلنے سے سمندر کی لہریں بلند ہونے لگیں
اور بادلوں کی تہ مزید دیز ہونے لگی۔ یکا یک بارش برسا شروع ہو
گئی۔ جیسے جیسے دونوں جنوں کی بحث بڑھتی گئی، درجہ حرارت کم
ہونے لگا اور سردی بڑھنے لگی اور سمندر کی لہریں مزید طاقت سے
کنارے سے اپنا سر تھننے لگیں۔

آذر اور ناظر نے جلدی جلدی اپنی جرابیں پہنیں لیکن ابھی
انہوں نے جوتے پہنے تھے کہ سمندر کا پانی زمین پر چڑھ آیا اور اس
نے سارا ساحل اپنی آغوش میں لے لیا۔ یہ بڑی بڑی لہریں آذر
اور ناظر کے نہ صرف جوتے بہا کر لے گئیں بلکہ ان کا پسندیدہ
سیپ بھی ڈوب گیا۔

دونوں جن غصے سے آگ بگولہ ہو رہے تھے۔ پھر جیسے ہی
سیلاب سے بچنے کے لیے وہ پہاڑوں کی طرف دوڑے، انہوں نے

بہت سال پہلے کی بات ہے کہ ایک انتہائی خوب صورت
سرزمین میں دو جنوں کی جوڑی رہا کرتی تھی۔ گرمیوں میں وہاں کی
ہر چیز کھلی اور نکھری ہوئی لگتی لیکن سردیوں میں جب ہر چیز پر برف
کی دبیز تہہ جم جاتی تو یہ سرزمین اور خوب صورت ہو جاتی۔ ہر روز
یہ جنوں کی دوست جوڑی سیر کو نکلتی۔ وہ جنگلوں میں سے گزرتے۔
پہاڑوں کے اوپر چلے جاتے لیکن دونوں کی ہمیشہ کوشش ہوتی کہ
ان کے پیروں تلے پیڑ نہ روندے جائیں۔

ان کی داڑھیاں اتنی لمبی اور گھنی تھیں کہ کئی پرندوں نے ان
میں گھونسلے بنائے ہوئے تھے۔ جہاں بھی یہ دونوں دوست جاتے،
انہیں اکٹھا دیکھ کر بلبلیں اور کولیس کوکتیں اور چچھباتیں۔ ایک دن وہ
دونوں سمندر میں تیراکی کر رہے تھے کہ دونوں کو ایک گلابی رنگ کا
سیپ ملا۔ وہ سیپ بہت چمک دار اور خوب صورت تھا۔ دونوں
دوست بے اختیار اس کی تعریف میں جت گئے۔

ایک جن جس کا نام آذر تھا کہنے لگا۔ ”میں اسے بار میں پرو کر
گلے میں پہنوں گا اور مجھ پر یہ زیادہ بچے گا۔“

دوسرا جن جس کا نام ناظر تھا، کہنے لگا۔ ”نہیں ہرگز نہیں، اسے

ایک دوسرے کو بڑے بڑے پتھر مارنا شروع کر دیئے۔ جلد ہی ساری سرزمین پانی میں ڈوب گئی۔ صرف دو اونچے پہاڑوں کی چوٹیاں پانی سے باہر تھیں جنہوں نے اس ٹھنڈے اور وسیع وعریض سمندر میں دو جزیروں کا روپ دھار لیا تھا۔ ایک چوٹی پر اب آذر رہتا تھا اور دوسری چوٹی پر ناظر۔

سردی بہت بڑھ گئی تھی۔ انہیں برف باری بہت پسند تھی لیکن اب برف باری نہیں ہوتی تھی۔ موسم سرما کے بعد پھر موسم گرما آجاتا تھا۔ دونوں جن بھول ہی گئے کہ موسم گرما اپنے ساتھ کتنا دلکش موسم اور نظارے لاتا تھا۔ اب سارے دن ایک ہی جیسے اکتانے والے تھے اور انتہائی سرد تھے۔

دونوں جھنجھلائے ہوئے، اکتائے ہوئے جن مزید غصے میں آتے گئے۔ اب انہوں نے پھر ایک دوسرے کی طرف پھینکنا بند کر دیئے اور چٹانیں پھینکنا شروع کر دیں۔ سوموار والے دن آذر، ناظر کی طرف چٹان پھینکتا تھا۔ منگل والے دن ناظر کی باری ہوتی تھی کہ وہ چٹان پھینکے۔ بدھ والے دن پھر آذر کی باری ہوتی۔ ایسا باری باری چلتا رہتا، صرف اتوار والے دن چھٹی ہوتی۔

کئی دفعہ ان چٹانوں نے دونوں جنوں کے کان، ناک اور سروں پر چوٹ لگائی اور ان کے غصے کی اب کوئی انتہا نہیں تھی۔ سمندر میں اب جگہ جگہ ان کی پھینکی ہوئی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ ایک دن آذر نے سوچا کہ وہ ان چٹانوں پر پیر دھرتے ہوئے آگے بڑھ سکتا ہے۔ اس نے انتظار کیا تاکہ ناظر سو جائے۔ پھر اس نے اپنا پتھر سے بنا ہوا گرز اٹھایا اور اسے لے کر اپنے پہاڑ سے روانہ ہو گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ خاموشی سے ناظر کے پہاڑ پر پہنچ جائے اور ناظر کے سر پر زور سے ضرب لگائے تاکہ وہ سارا دن بے ہوش رہے۔

بے ہوشی کی وجہ سے وہ اپنی باری کی چٹان اس کی طرف پھینکنا بھول جائے گا۔ آذر نے پہلا قدم چٹان پر رکھا اور پھر دوسرا..... جب وہ تیسری چٹان پر پہنچا تو ناظر نے اپنی ایک جناق آکھ کھولی۔ اس نے آذر کو دیکھا جس کے ہاتھ میں گرز تھا، جسے وہ سر کے اوپر کر کے تیز تیز گھما رہا تھا۔ آذر نے اپنے پہاڑ کو پیچھے چھوڑ دیا تھا اور چٹانوں پر بڑے بڑے ڈگ بھرتا ہوا اس کی طرف آ رہا تھا۔ ناظر نے بھی اپنا گرز سنبھالا اور دشمن کی طرف بڑھا۔ جب دونوں جن ایک دوسرے پر چھپے تو ایوں لگا جیسے ساری سرزمین پر زلزلہ آگیا

ہو لیکن دونوں جن ٹھٹھک کر رُک گئے۔ آذر نے ناظر کے پیروں کی طرف دیکھا اور ناظر نے آذر کے پیروں کی طرف دیکھا۔ دونوں جنوں کے ایک ایک پیر میں سفید اور سیاہ رنگ کی اور دوسرے پیر میں سرخ اور نیلے رنگ کی جرابیں تھیں۔ وہ بڑی دیر تک عجیب و غریب جرابوں کے جوڑوں کو گھورتے رہے۔

پھر آہستہ آہستہ انہیں وہ دن یاد آنے لگا جب پانی نے سرزمین کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ وہ سیلاب سے بچنے کی جلدی میں تھے اور اسی جلدی میں انہوں نے غلط جرابیں پہن لیں تھیں۔ یہ سوچتے سوچتے وہ یہ بات بھول ہی گئے کہ پچھلے کتنے ہی عرصے سے وہ آپس میں کیوں لڑ رہے تھے؟ اب انہیں کچھ یاد آ رہا تھا تو صرف وہ دن جب وہ گہرے دوست تھے۔ انہوں نے اپنے گرز سمندر میں پھینک دیئے اور ہنتے ہنتے باچنا شروع کر دیا۔

پھر جب وہ اپنے اپنے پہاڑ پر پہنچے تو ان کے نتھنوں میں سفید گلابوں کی خوشبو گھس آئی اور انہیں اپنے شانوں پر سورج کی تمازت محسوس ہوئی۔ سمندر کا پانی اترنے لگا۔ جہاں جہاں پانی تھا وہاں پھول اُگنے لگے۔ پرندے ان جزیروں پر لوٹنے لگے۔ اب دونوں پہاڑوں کے بیچ کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ صرف ایک وادی تھی جس میں گھنے اور سایہ دار درخت اُگے ہوئے تھے۔

سرزمین پہلے کی طرح دوبارہ خوب صورت ہو گئی تھی۔ آذر اور ناظر دوبارہ پھولوں کی کنبوں میں بیٹھنے لگے تھے۔ کبھی کوئی بھنورا آذر کے کان کو چھو جاتا تو کبھی کوئی تلی ناظر کی ناک پر بیٹھ جاتی۔ خوب صورت پرندے سستانے کے لیے ان کے سروں پر بیٹھنے لگے۔ دونوں دوست راضی تھے۔ موسم پہلے کی طرح بدلنے لگے۔ کبھی کبھی وہ دونوں سرزمین پر سیر کے لیے نکلتے۔ سرزمین کبھی گھاس سے اٹی ہوتی تو کبھی برف سے۔ ساحل سمندر پر کبھی کبھی ان کے دیو ہیکل پیروں کے نشان بنے ہوتے۔ کئی دفعہ وہ ایسے ہی جنگل میں لیٹ جاتے جو پرندوں اور پھولوں سے بھرے ہوئے تھے۔

لیکن انہوں نے جو بھی کیا وہ علیحدہ البتہ ہمیشہ وہ مختلف رنگوں کی جرابیں آپس میں بانٹ کر پہنتے رہے، حالاں کہ وہ انہیں سیدھا کر بھی پہن سکتے تھے لیکن وہ یہ احتیاط اس لیے کرتے تھے کہ کہیں مبادا وہ دوبارہ لڑ پڑے تو.....

نہنے قارئین



لوگوں کو جانیں

5- میں نے ایک پرندہ دیکھا
چلتے چلتے تھک گیا
چاتو لے کر گردن کاٹی
پھر سے چلنے لگ گیا

(ماثر حنیف، بہاول پور)

6- ایک نار بہت کام آتی
جتنے دانت اتنا ہی کھاتی
دانتوں والی کام بتاتی
بنا دانت کے کام نہ آتی

7- آؤ بھائی بازار جائیں
ایک تیسری میں دو رنگ لائیں

8- ہاتھ بچاؤ پیر چلاؤ
بچھے بچھے بھاگتے جاؤ

(اسامہ بن خرم)

1- ہری تھی من بھری تھی
راجا جی کے کھیت میں دوشالہ اوڑھے کھڑی تھی
2- نہ ڈنڈا نہ تھکانہ
ایک چھوٹا سا چوکیدار

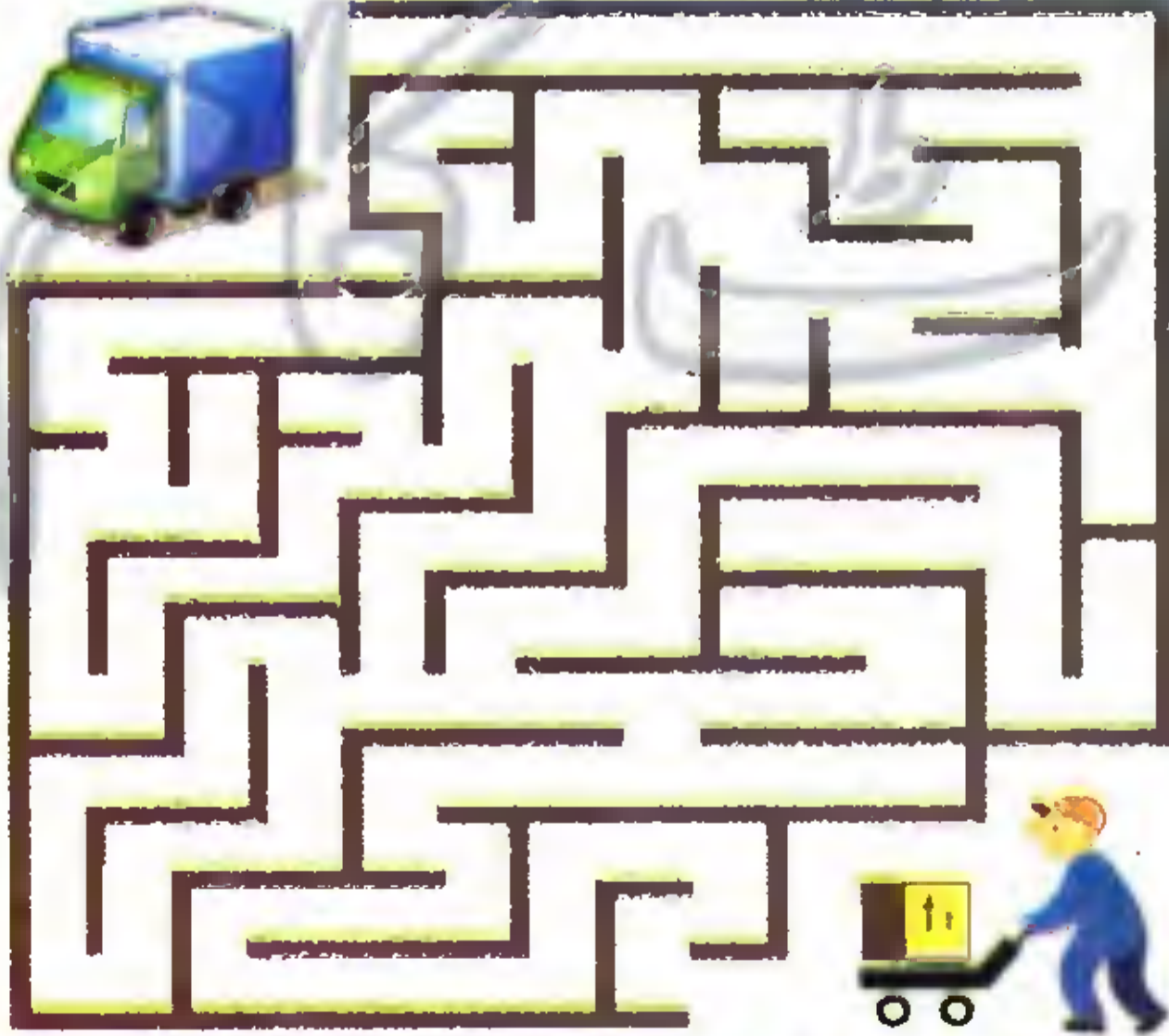
(عائشہ صدیقہ، راول پنڈی)

3- ہر جا میرا ٹھکانہ ہے
ہر جا آنا جانا ہے
باغوں میں جب آتی ہوں
خوشبو لے کر آتی ہوں

4- ایک چیز بڑی نرالی
ٹک ٹک ٹک ٹک کرنے والی
گھٹنے بعد وہ ٹن بجائے
ہر کسی کو وقت بتائے

لوگوں کو جانیں
5- ہر جا میرا ٹھکانہ ہے
6- ہر جا آنا جانا ہے
7- باغوں میں جب آتی ہوں
8- خوشبو لے کر آتی ہوں

راستہ تلاش کریں۔



اس تصویر کا اچھا سا عنوان تجویز کیجئے اور 500 روپے کی کتب لیجئے۔ عنوان
بیچنے کی آخری تاریخ 10 فروری 2017ء ہے۔

بلا عنوان



جنوری 2017ء کے "بلا عنوان کارٹون" کے لیے جو عنوانات موصول ہوئے، ان میں سے مجلس
ادارت کو جو عنوانات پسند آئے، ان عنوانات میں سے یہ ساتھی بہ ذریعہ قرعہ اندازی 500 روپے
کی انعامی کتب کے حق دار قرار پائے۔

- ▶ کون جیتا ہے ترے چاول نرم ہونے تک، خاک ہو جائیں گے ہم دیگ گرم ہونے تک (انیہ زاہد، لاہور)
- ▶ نائی کو بھی کیا سوچھی شمع سے دیگ پکائی، جس نے بھی دیکھا آنکھوں میں حیرت در آئی (شازیہ ہاشم میواتی، قصور)
- ▶ اپنے چاہنے والوں کو آزما کے دیکھ، آج شمع کے اوپر دیگ پکا کے دیکھ (عبدالقیس، حسن ابدال)
- ▶ نہ نوسن تیل ہوگا نہ راوحا تاپے گی، نہ کھانا کچے گا نہ ہارات کھائے گی (ثمینہ نواب، جھنگ صدر)
- ▶ پوسٹہ رہ شجر سے امید بہار تک (فیضان علی، حویلی کھٹا)



ملیجہ شہباز، راول پنڈی (پہلا انعام: 195 روپے کی کتب)



محمد مہیب غامر، اسلام آباد (تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب)



سید تیمور علی خالد، جنگ حیدر (دہرا انعام: 175 روپے کی کتب)



عبداللہ غامر، لاہور (پانچواں انعام: 95 روپے کی کتب)



جل، سکھر (چوتھا انعام: 115 روپے کی کتب)

دیکھتے مصوروں کے ہم با ذریعہ قرعہ اندازی: شاد احمد، اراپنی۔ مریم آفتاب، راول پنڈی۔ احمد انور، کراچی۔ اسد الیاس، چارسدہ۔ حرمہ عزیز، محمد حجاز، امرکودھال، علیہ اند، سارا آفتاب، عمر، انگیل، راول پنڈی۔ ماقب فریہ محمد، جھنگ۔ محسن علی، راول پنڈی۔ اویہ رؤف، آجرات۔ ازکی انصاف، پشاور۔ حفیظ الملیر، فیصل آباد۔ محمد دانش، واجد، انیس، محمد اسد احمد طارق، اسلام آباد۔ مصعب سعید، راول پنڈی۔ انعام مسطقی، لاہور۔ سکون نوبہ، راول پنڈی۔ محمد مہر شہین، مظفر آباد۔ اویہ زہرا، فیصل آباد۔ ہاجرہ حفیظ، ایک سنگھ۔ انیس، لاہور۔ انور اسلم، لاہور۔ شہینہ اسلم، لاہور۔ امیر عزیز، فیصل آباد۔ مارواڑ، ایشیت آباد۔ مہک علی، کراچی۔ ساجدہ انصاف، حرمی۔ عدیش صدیقی، لاہور۔ نیل مارف، سیال کور۔ نعمان الحسن، سادی وال۔ عبدالمنان، انارکائی۔ آسیہ فریدی، شیخوپورہ۔ شازیہ نیل، لاہور۔ منیب انور، بہاول پور۔ اشیم زہرا، لاہور۔ کامران محمد احمد، لاہور۔ حسانہ، محل باؤ، گجرات۔ ربیعہ رفیق، محمودی بی، کوئٹہ۔ اما، انصاف، فیصل آباد۔ ہاجرہ مریم، کاشف، حرمی، لاہور۔ حران چوہدری، امیرہ، ہارنی خان۔

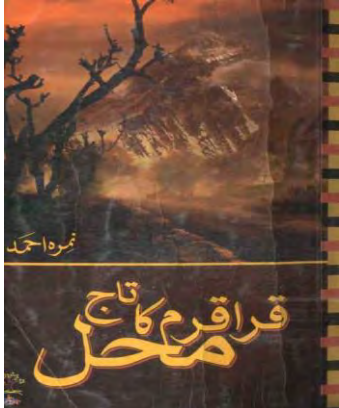
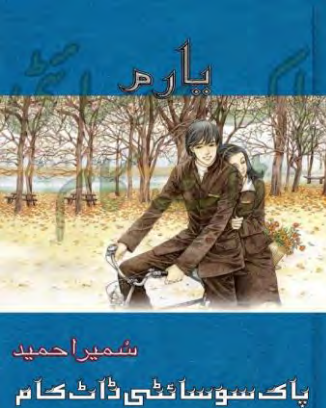
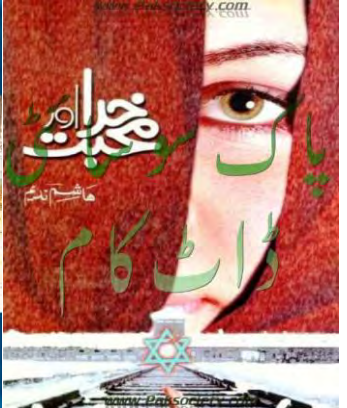
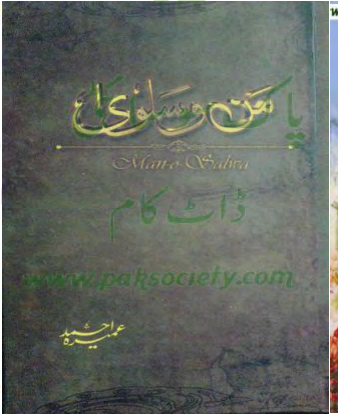
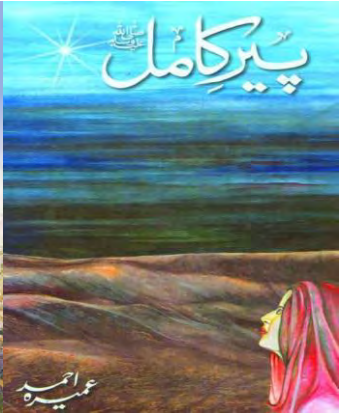
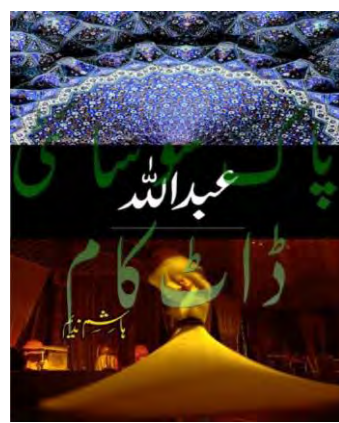
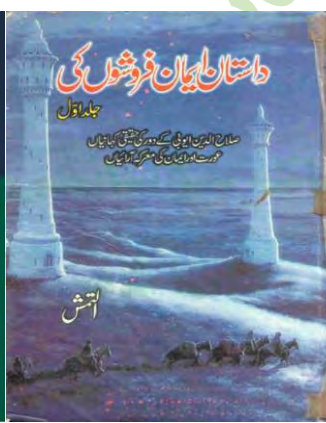
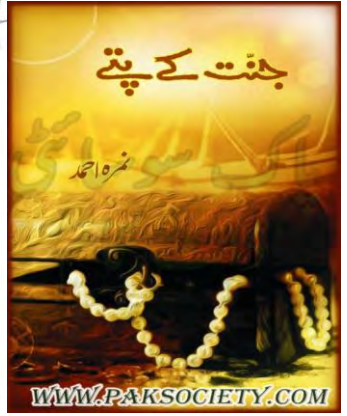
WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN

PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

آخری تاریخ 8 فروری

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



The Taleem-o-Tarbiat, Lahore

PAKISTAN'S MOST WIDELY READ URDU MAGAZINE FOR CHILDREN OF ALL AGES

طلبہ و طالبات کے لیے فیروز سنز کی معیاری لغات



فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ
لاہور۔ راہ پینڈی۔ کراچی

پتھاب: 60۔ شاہراہ قائد اعظم، لاہور۔ 042-111-626262

ہدایات برائے آرڈرز:

نمبر ادارہ بلوچستان: کراچی۔ 021-358-57238-358-30467

حیدرآباد: 277۔ پشاور: 051-5124370-5124897

